اصلاح اور آزادی

کا طریقہ کار

(سورۃ الحشر کی روشنی میں)

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان

الامین العام المجلس الاعلیٰ للشؤون الاسلامیہ

جمہوریہ مصر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

اصلاح اور آزادی کا طریقہ کار

(سورۃ الحشر کی روشنی میں)

ڈاکٹر صلاح الدین سلطان

الامین العام المجلس الاعلیٰ للشوون الاسلامیہ

جمہوریہ مصر

ترجمہ

ابوالاعلیٰ سید سبحانی

ایفا پبلیکیشنز، نئی دھلی

انتساب

اس دلیر شہسوار کے نام جس کے چہرے پر ہمہ دم مسکراہٹ نظر آتی ہے۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ کر امت کا یہ یقین مزید مستحکم ہوجاتا ہے کہ ان شاء اللہ فتح ونصرت کے ایام بہت قریب ہیں.....اس شخص کے نام جو حسن اخلاق کا پیکر ہے، ایک دلیر سالار اور ذاتی مفاد سے یکسر بے نیاز.....خدا کی جانب سے جس کو قیادت کی بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے.... ابوالولید 'خالد مشعل' کے نام جو سرزمین اقصیٰ و فلسطین میں کاروانِ جہاد اور تحریک آزادی واصلاح کی بحسن وخوبی قیادت کررہے ہیں.....

فہرست

مقدمہ

الحمدلله منزل الکتاب، ومجری السحاب، وهازم الاحزاب، والصلاة والسلام علی سیدنا محمد وعلی آله وصحبه ومن تبعهم باحسان فی نصرة هذا الدین الی یوم الدین، ثم امابعد...

شکر ہے خداوند برتر کا کہ جس نے قرآن جیسی کتاب نازل فرمائی، اور غزوہ احزاب میں جب کہ دشمن نے چوطرفہ یلغار کردی تھی، بارش نازل فرمائی اور دشمن کو زیر کردیا۔ درودوسلام ہو، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل واولاد اور صحابہ کرامؓ پر، اور ان تمام لوگوں پر جو قیامت تک دین کی نصرت اور غلبے کی جدوجہد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ کے نقوش پر چلتے رہیں گے۔

قرآن مجید ایک ایسا صاف وشفاف سرچشمہ ہے کہ جس کا پانی ہر لحہ تازگی اختیار کرتا رہتا ہے، یہ ایک ایسی نہر ہے جو اطراف کے تمام علاقے سیراب کرتی ہے، باوجود اس کے کہ اللہ رب العزت نے ہم کو اس عظیم سرچشمہ خیروبرکت سے نوازا ہے، ہم کو قرآن مجید کے ذریعہ نوروہدایت سے ہمکنار کیا ہے، یہ دیکھ کر حد درجہ حیرت ہوتی ہے کہ مغرور صہیونی آج پوری امت اسلامیہ کو چیلنج کررہے ہیں، قتل وغارت گری کا بازار گرم کررکھا ہے، خرمستی کررہے ہیں، غزہ اور ساحلی علاقے میں ہمارے مسلم بھائیوں کی ناکہ بندی کی جارہی ہے۔ ہماری جانوں، ہماری عزتوں اور ہمارے مقدسات پر دست درازی کی جارہی ہے۔ مسجد اقصی کے نیچے سرنگیں کھودی جارہی ہیں، اس کے اطراف میں 'کنیس الخراب' کی تعمیر کی جارہی ہے، ارض مقدس کے قدیم باشندوں کو دیس نکالا دیا جارہا ہے اور ان کی جگہ صہیونی ظالموں کو آباد کیا جارہا ہے۔ اس بات کا اعلان کیا جارہا ہے کہ مسجد اقصی کو منہدم کردیا جائے گا، صہیونی کہتے ہیں کہ حرم ابراہیمی اور مسجد بلال کو اپنی ملکیت میں لے لیں گے۔

اس وقت میری حیرت دوچند ہو جاتی ہے، جب میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے پاس وہ آیات اور سورتیں موجود ہیں جن کے اندر بنی اسرائیل کی تفصیلات کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں کہ وہ اللہ کے دشمن ہیں۔ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ انبیاء کا قتل کیا۔ اللہ، اس کے رسول اور اپنے ساتھ رہنے اور بسنے والے انسانوں کے ساتھ عہد شکنی کی، اور ہمیشہ اپنے عہد و پیمان میں جھوٹے ثابت ہوئے، اللہ رب العزت نے ان کے بارے میں فرمایا:

الَّذِيْنَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لاَ يَتَّقُوْنَ.

(جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد کیا ہے پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔)

اس سے بھی زیادہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ پہلے جو چوری چھپے منصوبے تھے، وہ منصوبے آج علانیہ ہوتے جا رہے ہیں، اور ان علانیہ منصوبوں کو عملی شکل دینے کے لیے کھلے عام راہیں ہموار کی جا رہی ہیں کہ مسجد اقصی کو مسمار کر کے اس کے ملبے پر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کریں گے، شیخ رائد صلاح نے کتنی ہی بار اس بات کا اعلان کیا کہ ۱۶/ مارچ ۲۰۱۰ء کو کنیس الخراب کا افتتاح ہونے والا ہے، ہیکل کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا، یہودی منصوبوں کے مطابق امسال مسجد اقصی شہید کی جانے والی ہے، تاہم امت اسلامیہ کی جانب سے، ہمارے مسلم اور عرب ممالک کی حکومتوں، تنظیموں، جماعتوں اور اداروں کی جانب سے جس ردعمل کا مظاہرہ کیا گیا، وہ دشمن کی امیدوں کے سامنے بہت ہی کم زور اور معمولی تھا، اور سچ بات تو یہ ہے کہ صہیونی حکومت اور صہیونی قوم کی اس شرارت کے سامنے ارض فلسطین کے نوجوانوں اور مرد و خواتین کے علاوہ کسی نے بھی پامردی کا ثبوت نہیں دیا، انہوں نے ننگے بدن دہکتے ہوئے شعلوں کا سامنا کیا، وجہ یہ تھی کہ وہ تقوی کی پوشاک زیب تن کیے ہوئے تھے۔ دشمن کی جانب سے حائل کردہ ساری رکاوٹوں اور حد بندیوں کے باوجود وہ جوق در جوق مسجد اقصی کی جانب، ان بھیانک خطرات سے اس کا تحفظ کرنے کے لیے نکلے جا رہے تھے۔ میں مستقل خبروں کا مشاہدہ کر رہا تھا، میں نے مختلف مڈبھیڑ اور معرکوں کی تصاویر بھی دیکھی تھیں، میرے لیے وہ سب سے

ہولناک رات تھی کہ جب اسلامی اوقاف کی اراضی پر مسجد اقصی کے قریب چند میٹر کے فاصلے پر کنیس الخراب کا افتتاح ہونے جا رہا تھا۔ میں نماز فجر کے لیے کھڑا ہوا تو بالکل نڈھال تھا، میں سوچ رہا تھا کہ امت کو اس موقع سے کیا پیغام دوں، میں نے قرآن مجید کا مطالعہ شروع کر دیا، سورہ الحشر تک پہنچا تو وہاں ٹھہر گیا، اس پر خوب غور وفکر کیا، دل کی گہرائیوں سے اس پر سوچا، نفس کی اصلاح کے ارادے سے اس پر تدبر و تفکر کیا، میں نے دیکھا کہ اس کے اندر معانی کا سمندر پوشیدہ ہے، قرآنی آیات عمل اور ردعمل سے اوپر اٹھ کر اس زمین کے سلسلہ میں معرکہ آرائی کی جانب رہنمائی کرتی ہیں، مسئلہ کو اللہ رب العزت کی جانب سے واضح کیا گیا ہے، یہ معرکہ کوئی زمینی معرکہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق آسمان سے ہے، میں نے اس سورہ کے اندر دیکھا کہ اللہ رب العزت کا ذکر نوے (۹۰) مرتبہ آیا ہے، اللہ رب العزت کا اسم جلال صراحت کے ساتھ ۲۹ مرتبہ آیا ہے اور ربنا، الہ دو مرتبہ، جب کی رب ایک مرتبہ، اسی طرح اس کی صفات کا ذکر صراحت کے ساتھ ۲۵ مرتبہ آیا ہے، بقیہ اشارتاً مذکور ہیں، میرا مطلب اس اشارے سے وہ اشارہ ہے کہ جس کے بغیر عربی عبارت مکمل ہو ہی نہیں سکتی ہے، مثال کے طور پر: أخرج الذين كفروا، قذف في قلوبهم الرعب، يسلط رسله على من يشاء، فأنساهم انفسهم، وغیرہ میں فاعل اللہ رب العزت ہے، یا پھر اسماء اشارہ اور ضمیر کی صورت میں، مثال کے طور پر: رسوله، يسبح له، انك رؤوف رحيم، وغیرہ ہے۔ رہی بات یہ کہ اس سورہ کے اندر جو بمشکل تین صفحات پر مشتمل ہے، اس کے اندر کیا سبب ہے کہ اللہ رب العزت نے اس قدر اپنی عظمت بیان فرمائی ہے کہ نوے مرتبہ اس کا ذکر آیا ہے، بلکہ آخر کی جن تین آیات پر اس سورہ کا خاتمہ ہوا ہے، اس قسم کا خاتمہ کسی سورہ کے اندر نہیں ملے گا کہ تینوں آیات کی ابتدا هو الله کے ذریعہ ہوئی ہے، اور ان تینوں آیات کے اندر صراحت اور اشارے کو دیکھا جائے تو ۳۳ مرتبہ اللہ کا ذکر آیا ہے جس میں ۲۲ مرتبہ صراحت کے ساتھ جبکہ ۱۱ مرتبہ اشارے کے ساتھ۔

اللہ کا بار بار ذکر کرنے سے توحید پر عقیدہ مضبوط ہوتا ہے اور ثبات قدمی نصیب ہوتی ہے، اس کے بعد یہود کتنا ہی دعوی کر ڈالیں کہ ان کے پاس اسلحے ہیں، طاقت کے ذخائر ہیں، قلعے اور آہنی

دیواریں ہیں، جن کی مدد سے وہ جب چاہیں اپنے کسی بھی پڑوسی ملک کو زیر کر سکتے ہیں!

ان آیات کے ذریعہ ان دعووں کی بنیاد ہل کر رہ جاتی ہے، اور یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ان کے ساتھ مسلمانوں کا معرکہ محض زمین پر نہیں چل رہا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا معرکہ ذات باری تعالی سے ہے، اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَن يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (الحشر:٤) (یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔)

جب یہ صورت حال میری سمجھ میں آئی تو میں نے قلم (جو اس معرکہ میں میرا ہتھیار ہے) اٹھایا اور ایک مضمون تحریر کیا جس کا عنوان ہے"مفارقات بين كنيس الخراب وتخريب الديار" (یہ مقالہ اس کتاب کے ضمیمہ (۱) میں موجود ہے)۔ تاہم میرے ذہن وفکر میں اس سورہ نے ایک ہلچل مچائے رکھی، اور پیش آمدہ واقعات سے اس کو برابر غذا بھی ملتی رہی، الاقصی نیوز چینل پر مجھ سے ایک انٹرویو لیا گیا اور 'ہمارا اقصی نہ کہ ان کا ہیکل' کے عنوان سے ایک اجتماع عام کو خطاب کرنے کے سلسلہ میں مجھے کویت جانے کا اتفاق ہوا، کویت سے ایک دوسرے پروگرام کے لیے قطر جانا ہوا، اس کے بعد بحرین، لبنان، مغرب اور ترکی وغیرہ جانے کا موقع ملا۔ اس دوران مجھے اور بہت سے معانی اور مفاہیم کا ادراک ہوا۔ میرے ذہن وفکر میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی، اسی دوران مجھے روس، ماسکو اور قازان وغیرہ کے سفر پر جانا پڑ گیا، اب وقت تھا کہ اس کو ایک کتاب کی صورت میں پیش کیا جائے، میرے افکار وخیالات کا یہ مجموعہ ہوائی جہاز، ایئر پورٹ، مختلف گاڑیوں اور ہوٹلوں میں بیٹھ کر تیار ہوا ہے، اس طرح سے اس کے اندر ایک بکھراؤ اور انتشار کی صورت پائی جاتی تھی، تاہم بعد میں اللہ کے فضل وکرم سے اس پر نظر ثانی کی، اور اس طرح اس کے اندر ایک ربط اور تسلسل پیدا ہو گیا، اب یہ کتاب اپنی آخری شکل میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس کتاب کا مقصد یہی ہے کہ امت کے اندر آزادی اور اصلاح کی امیدیں جگائی جائیں، ان کو آئینہ خانوں سے نکال کر میدان کارزار کا راستہ دکھایا جائے

اوران کے اندر اللہ رب العزت کے تعلق سے اعتماد اور یقین پیدا کیا جائے کہ وہی تنہا ذات ہے جو ہر چیز سے باخبر ہے اور اس کے پاس ہر طرح کی قوت اور حکمت ہے۔

اس کتاب میں ۱۱ نکات ایسے بیان کیے گئے ہیں جو اس سورہ کو دوسری سورتوں سے ممتاز کر دیتے ہیں، اس سورہ میں مجھے اللہ رب العزت کا فیضان، قرآن مجید کا ایک حسین تحفہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کچھ تابندہ نقوش معلوم ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں آیات قرآنی اور واقعات سیرت کے درمیان ربط و مناسبت بھی بیان کیا گیا ہے۔

میں نے قرآن وسنت کی تعلیمات سے معمور نظر کے ساتھ موجودہ حالات کا مشاہدہ کیا تو یہ منہج بالکل واضح ہو کر میرے سامنے آ گئے:

منہج اول: مومنین اور یهود و منافقین کے درمیان ربانی معرکہ آرائی.

منہج دوم: قیاس اور عبرت.

منہج سوم: دشمن کی شناخت.

منہج چہارم: یهود کے ساتھ ہمارے معرکے کا انجام فدیہ ہے.

منہج پنجم: مال روؤساء کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے.

اس سورہ کے اندر نوے (۹۰) مرتبہ اللہ رب العزت کے ذکر نے مجھے بار بار سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اللہ رب العزت بذات خود یہود کے ساتھ معرکہ کی تدابیر بیان فرما رہا ہے، اور ایسا نہیں ہے کہ ماضی کے یہودیوں کے ساتھ یہ معاملہ خاص ہے بلکہ قیاس اور عبرت کا تقاضا ہے کہ ہر زمانے اور ہر مقام پر ایسا ہوگا، لہذا یہ لازم ہے کہ صحیح طور سے دشمن کی شناخت کی جائے، چنانچہ ایک فصل میں 'دشمن کی شناخت' کے تحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ دشمن تین طرح کے ہوتے ہیں، یہود، منافق اور شیطان۔

یہود نے ظلم اور سرکشی کی راہ اختیار کر رکھی ہے، سورہ کی ابتدا اور درمیان میں دو مرتبہ کہا گیا کہ ان لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی، چنانچہ میں نے اللہ رب العزت، فرشتوں، انبیاء اور عام انسانوں کے تعلق سے ان کے اعتقادی انحطاط کے بارے میں کافی تحقیق کی، کیونکہ اسی کے سبب وہ اللہ رب

العزت کے دوہرے عذاب کے مستحق ہوئے ہیں۔

دوسرے دشمن منافقین ہیں، جنہوں نے ابتدا ہی سے اللہ کے دشمنوں، بالخصوص یہود کے ساتھ روابط استوار کیے، سورہ الحشر میں خصوصی طور پر منافقین اور یہود کے درمیان گہرے روابط اور ان کے درمیان جن لعنت بھری خفیہ دفعات پر اتفاق ہوا ہے، ان کو بیان کیا گیا ہے، اس میں کل ۹ر واقعات ذکر ہوئے ہیں، ان تمام واقعات سے عہد نبوی میں ان منافقین کی خیانت، کاسہ لیسی اور ان کی دیگر حقیر حرکتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں، اور آج بھی ان منافقین کا حال بالکل ویسا ہی ہے۔

تیسرا دشمن شیطان ہے، میں نے اس کی سرکشی اور بغاوت کا ایک پہلو بیان کیا ہے، اور پھر شیطان کی انسان سے دشمنی کی انتہا بیان کی ہے کہ وہ کس طرح انسانوں کو اللہ کی راہ سے گمراہ کرنے کے لیے خود کو فارغ اور خالی کیے ہوا ہے تاکہ انسان کو رحمٰن کی بتائی ہوئی راہ سے ہٹا کر جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں جھونک دے، اس کے ساتھ ہی اس کی بنیادی صفات اور اس کے مقابلے کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

آخری دو فصلوں (''یہود کے ساتھ ہمارے معرکے کا انجام یہ ہوگا کہ وہ فدیہ دینے پر راضی ہو جائیں گے۔'' اور ''مال رؤساء کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے'') کے درمیان کافی گہرا ربط پایا جاتا ہے، اس طور پر کہ سورہ الحشر کے نصوص اور قرآن کی دیگر آیات سے یہود کی بزدلی اور گھبراہٹ کی ایک یقینی تصویر سامنے آتی ہے، باوجود اس کے کہ وہ خوب اونچے اونچے قلعے اور دیواریں تعمیر کرتے ہیں، عسکری آلات پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں، تاہم ان کے لیے معرکہ سر کرنا محال ہوتا ہے، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں غزوات اس کی عملی مثال ہیں کہ بنی قینقاع، نضیر، قریظہ اور خیبر کے معرکے میں انہوں نے کس قدر بزدلی، خوف اور گھبراہٹ کا مظاہرہ کیا، اپنا سارا اثاثہ چھوڑ دیا اور اپنا سارا مال ودولت مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے حوالہ کر دیا، حالانکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی کوئی جنگ یا کوئی معرکہ نہیں ہوا تھا، ایسا انہوں نے تین معرکوں میں کیا تھا، البتہ چوتھے واقعے میں انہوں نے ابتدا میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا، تاہم اس مرتبہ پھر اپنی عادت وفطرت کے مطابق ہتھیار ڈال دیئے، میں نے اس اصولی موقف کو موجودہ حالات پر تطبیق دیتے ہوئے بیان کیا ہے کہ صہیونی اس وقت کیا کیا

خطرناک اسلحے استعمال کررہے ہیں، آہنی اور فولادی دیواریں تعمیر کررہے ہیں، لوہے کے گنبد تیار کررہے ہیں، لیکن اللہ رب العزت بھی گھات لگائے بیٹھا ہے، وہ دیکھ رہا ہے کہ انہوں نے مکروفریب اور ظلم کا راستہ اختیار کیا ہے، اور اللہ تعالی کا وعدہ ہے کہ وہ ہماری مدد کرے گا اور اس طرح سے ان کا گھیراؤ کرے گا کہ کسی کو اندازہ بھی نہ ہوسکے گا۔

ہمارے لیے بزدلی کا راستہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے کہ ہم میدان سے پیچھے ہٹنے لگیں، جس کے نتیجہ میں فقراء مال ودولت سے محروم رہ جائیں اور دولت مند افراد کے درمیان مال ودولت کے خزانے گردش کرتے رہ جائیں گے، اس منہج کے ذریعہ تمام انسانوں کے درمیان مال ودولت کی عادلانہ تقسیم کے سلسلہ میں توازن کی صورت بیان ہوئی ہے، سورہ میں اس منہج کی دو خصوصی چیزیں ہیں:

ا۔ پورے قرآن میں اس سورہ کے علاوہ کہیں بھی اس منہج کا ذکر نہیں آیا ہے۔

۲۔ اس کا ذکر یہود سے جہاد کے دوران آیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کے اموال مسلمانوں کے پاس مال غنیمت بن کر آجائیں گے تو پھر مال ودولت کی تقسیم کے تعلق سے توازن کا مسئلہ خود بخود حل ہوجائے گا۔

اس کو دیکھتے ہوئے اس آیت پر میں نے دو پہلوؤں سے غوروفکر کیا:

اول: سیاق سے صرف نظر کرتے ہوئے آیت کی روح کیا ہے۔

دوم: سیاق کی روشنی میں آیت کی روح کیا ہے۔

میں نے ان اصولی باتوں کو موجودہ حالات پر تطبیق بھی دی ہے، اس سلسلہ میں کچھ موثوقہ ذرائع سے حاصل شدہ اعدادوشمار بھی بیان کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مال اس وقت کچھ سرمایہ داروں کے درمیان گردش کررہا ہے اور فقراء اس سے یکسر محروم ہیں، ایسا ملکوں کی سطح پر بھی ہے اور افراد کی سطح پر بھی۔

قرآن وسنت کی اتباع کا تقاضا ہے کہ ایسے لوگوں سے جہاد کیا جائے جنہوں نے سرکشی اور ظلم وزیادتی کی راہ اختیار کی ہے اور فقراء کے مال ودولت لوٹ کر ان پر قابض ہوگئے ہیں، اس وقت

حالت یہ ہے کہ ہر پانچ سیکنڈ کے دوران ہونے والے اموات کے واقعات میں سے پانچ واقعات بچوں کی موت کے ہوتے ہیں، یہ ایک ایسا خطرناک معاملہ ہے کہ اگر کچھ انسانیت اور مذہب باقی ہو تو اس کو سن کر پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک جائے اور دل دہل کر رہ جائیں، اب جب کہ یہود ہی مال و دولت، اور میڈیا یا ذرائع پر قابض ہیں اور بہت سے ممالک کو اپنے چنگل میں لیے ہوئے ہیں، چنانچہ ہم پر لازم ہو جاتا ہے کہ اس منہج کی تطبیق کے لیے کوششیں تیز کر دیں تاکہ 'مال اہل ثروت کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے'، ان سے جہاد کیا جائے گا تو یقیناً وہ اپنے مال و دولت مسلمانوں کے لیے چھوڑتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوں گے، اور عموماً اندازہ یہی ہے کہ ان کا چھوڑا ہوا مال کافی اچھی مقدار میں ہوگا کہ یہ ایک ایسی قوم کی میراث ہے جس کا دن رات کا مشغلہ ہی مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی اور اس کو روکے رکھنا ہے۔ وہ اپنی دولت اور اپنے اقتدار کے نشے میں سرکشی کی راہ اختیار کریں گے تو ان پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور پھر وہ دنیا بھر کے صالح اور آزاد انسانوں کے غضب کا شکار بنیں گے، اس کے نتیجے میں ان سے جنگ کی جائے گی اور ان کی سرزنش ہوگی اور مال غنیمت کے طور پر ان کے مال و دولت کے ذریعہ معاشرتی اور اقتصادی توازن بحال کرنے کی کوشش کی جائے گی، میرے خیال سے ایک ہی آیت کے اندر مال غنیمت اور اس بات (کَیْ لَا یَکُونَ دُولَةً بَیْنَ الْأَغْنِیَاءِ مِنکُمْ.) کے ذکر کا یہی سبب ہے، تاکہ اس بات کو واضح انداز سے بیان کر دیا جائے کہ مال کے لین دین میں توازن اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ اللہ رب العزت کی جانب سے بیان کردہ دوسرے امور میں بھی توازن پیدا ہو جائے، خاص طور سے ان امور میں جو ظالم اور حدود سے تجاوز کر جانے والے افراد کی سرکوبی سے متعلق بیان ہوئے ہیں۔

اس اہم موضوع کا تقاضا تھا کہ میں کچھ اعداد و شمار بھی بیان کرتا چلوں تاکہ بنی نوع انساں کے درمیان مال و دولت کے سلسلہ میں جو بھیانک افراط و تفریط پائی جاتی ہے، اس کی وضاحت ہو سکے کہ ایک شخص انتہا سے زیادہ فقر کی حالت میں ہے تو دوسرا شخص انتہا سے زیادہ مال و دولت پر قبضہ جمائے بیٹھا ہے، نصف دنیا کی آبادی نہ تو اتنی دولت کی مالک ہے اور نہ ہی اتنا خرچ کر سکتی ہے جتنا کہ دنیا کے

ایک مالدار ترین شخص کی دولت ہے، میں نے اعداد وشمار کے ذریعہ اس خلا کو ملکوں کی سطح پر بھی دکھایا ہے اور افراد کی سطح پر بھی، پھر میں نے تمام انسانوں کے بجائے صرف یہود کا خصوصی ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس پورے عدم توازن کے ذمہ دار یہود ہیں جن کی بدولت سرمایہ چند اہل ثروت کے درمیان گردش کرر ہا ہے، اور اس پورے مسئلہ کا حل یہی ہے کہ اللہ تعالی نے سورہ الحشر اور قرآن کے دیگر مقامات پر جو ہدایات دی ہیں ان پر کامل یقین رکھا جائے اور اس کے مطابق اپنے موقف میں اصلاح اور تبدیلی کی جائے، اور ساتھ ہی ساتھ اسباب غزوات کے سلسلہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو عملی تطبیق دی جائے، اسی طرح اس بات کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ امت اور پورا عالم جس بحران کا شکار ہے اس کا بنیادی حل یہی ہے کہ یہود میں سے جو حدود سے تجاوز کر جانے والے ہیں، نہ کہ تمام ہی یہود سے، نبرد آزمائی کے لیے تیار رہا جائے، اس صورت میں یہود اپنی فطرت کی جانب پلٹ جائیں گے اور اپنی زمینیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے اور معاملہ اللہ رب العزت کے ہاتھ میں چلا جائے گا کہ جس کا فرمان ہے:

وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضاً لَّمْ تَطَؤُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيراً۔ (الاحزاب:۲۷) (اوران کی زمین، ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث تم کو بنایا، علاوہ ازیں اور بھی زمین ہے جس پر تمہارے پاؤں ابھی نہیں پہنچے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

امید ہے کہ اس کتاب میں مذکور منہج مسلم امت کو دوبارہ اس مقام سے روشناس ہونے میں مدد دے گا کہ وہ قرآن وسنت کے نصوص کی روشنی میں واقعات کی تفسیر اور اس کے لیے تیاری کرنے میں لگ جائیں، امید ہے کہ اللہ رب العزت اس امت کو خطرات سے محفوظ رکھے گا اور اس کو ٹھوکروں سے بچائے رکھے گا، اللہ رب العزت کے لیے تو یہ سب کچھ آسان ہے۔ سورہ الحشر میں اس بزدلی اور گھبراہٹ کو بیان کیا گیا ہے جو یہود کو معرکہ درپیش ہونے پر لاحق ہو جاتی ہے، وہ معرکہ سے فرار اختیار کر بیٹھتے ہیں اور اپنے سارے اموال اور دولت کے خزانے مسلمانوں کے لیے چھوڑ بھاگتے ہیں، اور مسلمان اس مال کو معاشرتی عدل کے قیام کے لیے استعمال کرتے ہیں تاکہ مال دنیا بھر کے اہل ثروت

کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے، ہمیں امید ہے کہ انسانیت اپنی تہذیب سے روشناس ہوگی اور وہ وقت آئے گا جب ممالک اور مذاہب کی تفریق سے بالاتر ہو کر نادار اور حاجت مند افراد کی کفالت کی جائے گی۔

میرا خیال ہے کہ میں نے اس کتاب میں کچھ ایسے نکات پیش کیے ہیں کہ جس سے امت کے ذہن و دماغ میں یہ یقین راسخ ہو جائے گا کہ صہیونیوں کی ساری تیاریاں اللہ رب العزت کے عذاب نیز مجاہدین کی قوت اور ثبات قدمی کے سامنے نہیں ٹک سکیں گی، نیز ان کے ساتھ ہمارے معرکہ کا انجام یہ ہوگا کہ ہم کو اللہ کے اذن سے نصرت اور غلبہ نصیب ہوگا، اور ان کے اموال ہمیں مال غنیمت کے طور پر مل جائیں گے، لیکن ضرورت ہے کہ پہلے ہمارے اندر اخلاص پیدا ہو، انفاق اور اللہ کی راہ میں اپنا مال و دولت خرچ کرنے میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، جد جہد اور سخت جدو جہد کرنے لگیں، ہمارے اندر خودداری پیدا ہو، اللہ کے حضور گریہ و زاری کریں اور اسی سے مدد طلب کریں۔

اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان آیات کو اللہ پر یقین کامل میں بدل دیں، اللہ کے دشمنوں سے نبرد آزمائی کے لیے تیار ہو جائیں، اللہ کے نادار، کمزور اور مظلوم بندوں کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں خیر کے کاموں کی توفیق عطا فرمائے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی،

واللہ ولی التوفیق.

صلاح سلطان

تمہید

سورہ الحشر کی منفرد خصوصیات

سورہ الحشر کی بعض منفرد اور امتیازی خصوصیات ہیں، جن میں سے بعض اہم درج ذیل ہیں:

ا۔ یہ قرآن کی واحد سورہ ہے جس کی ابتدا اور جس کا اختتام مکمل طور سے یکساں معانی کے ساتھ ہوا ہے، پہلی آیت ہے: سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. (الحشر: ۱) (جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں (سب) اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔)، اور آخری آیت میں ہے: يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. (الحشر: ۲۴) (جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔)، بالکل ایک جیسے معانی ہیں، بس فرق اتنا ہے کہ پہلی آیت میں تسبیح کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے اور آخری آیت میں مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے، پہلی آیت میں صراحت کے ساتھ اللہ کا ذکر ہے، جبکہ آخری آیت میں ضمیر کی صورت میں اللہ کا ذکر ہے، اور یہ بھی اس لیے کہ آیت ختم ہونے سے پہلے اللہ کا ذکر آچکا ہے، اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ تمام زمینوں اور آسمانوں میں اللہ ہی کی تسبیح کی جاتی تھی، کی جاتی ہے اور آخری زمانے تک کی جاتی رہے گی، اور دونوں آیتوں کا اختتام عزت اور حکمت پر ہو رہا ہے، اس گفتگو کے ساتھ جو اس معرکے سے متعلق ہے جو بنی نضیر کے ساتھ ہوا تھا اور قیامت تک سرکش یہودیوں کے خلاف ہوتا رہے گا، اور جس میں اللہ کی مشیت شامل حال تھی، اور حقیقت یہ ہے اس کے سامنے کسی کا کوئی اقتدار کام نہیں آتا کہ وہی تمام عزت اور سارے اقتدار کا مالک ہے اور اس کے افعال اور اقوال

بہت ہی حکمت والے ہوتے ہیں، کہ وہ حکیم ہے۔

۲۔ یہ واحد سورہ ہے جس میں اللہ رب العزت نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ارض شام ہی ارض حشر ہوگی، فرمان الٰہی ہے: هُوَ الَّذِىٓ أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ. (الحشر: ۲) (وہی تو ہے جس نے کفار اہلِ کتاب کو حشرِ اوّل کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا۔)، احادیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں، قرآن میں مجمل بیان ہوا ہے کہ بنونضیر کی جلاوطنی شام کی سرزمین کی جانب ہوئی، اس سلسلے میں ایک روایت ہے جسے علامہ البانیؒ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کی سند سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حشر ونشر کی جگہ ارض شام ہوگی۔ (فضائل الشام ودمشق للالبانی، رقم (۴)، البانی کہتے ہیں کہ یہ صحیح روایت ہے۔)

۳۔ قرآن مجید میں اس سورہ کے علاوہ مجھے ایک آیت بھی ایسی نہیں ملی کہ جس میں یہود کے مضبوط قلعوں کا ذکر ہو کہ جن کے تعلق سے مومنین کی یہ رائے بن گئی ہو کہ ان قلعوں کو فتح کرنا محال ہے، ان سے یہودیوں کو نہیں نکالا جا سکتا، بلکہ مسلمان ہی نہیں یہود کا بھی یہی گمان تھا کہ ان کے یہ قلعے ان کو محفوظ رکھیں گے، محض انسانوں سے ہی نہیں بلکہ خدا سے بھی انہیں محفوظ رکھیں گے، اسی طرح مجھے اس بات کا ذکر بھی اس کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتا کہ یہود اپنے ہاتھوں اور مومنین کے ہاتھوں اپنے گھروں کو تباہ وبرباد کر ڈالیں گے۔

۴۔ فیٔ کا فقہی معنی قرآن کی اسی سورہ میں آیا ہے، میرے خیال سے اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ یہود کے ساتھ ہمارے معرکوں کا انجام یہ ہوگا کہ ہمیں جنگ لڑے بغیر مال غنیمت ہاتھ لگ جائے گا۔ (فیٔ لغت میں لوٹنے والی چیز کو کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ فلان سریع الفیٔ من غضبہ، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جلدی اس کا غصہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے، اور اسی طرح زوال کے بعد کے سائے کو بھی فیٔ کہتے ہیں۔ (الصحاح فی اللغۃ للجوہری: ۱/۶۳۱۔ دار العلم للملایین، ۱۹۵۶ء)، شریعت میں فقہاء کی تعریف کے مطابق فیٔ اس مال غنیمت کو کہتے ہیں جو قتال اور جنگ کے بغیر ہاتھ لگتا ہے۔

(الام للشافعی: ۶۳/۴، الغیاثی للجوینی: فقرہ ۳۴۸، السیاسۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ: ص: ۴۵، سلطۃ ولی الامر، صلاح سلطان، سلطان للنشر ۲۰۰۴ء، ص: ۷۸)

۵۔ یہ قرآن مجید کی واحد سورہ ہے جو ایک عظیم اقتصادی منہج بیان کرتی ہے کہ مال اہل ثروت کے پاس ذخیرہ بن کر نہ رہ جائے بلکہ ضرورت ہے کہ ناداروں تک بھی ان کا حصہ پہنچایا جائے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُم. (الحشر: ۷) (تاکہ جو لوگ تم میں دولتمند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔) محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک حکمت ہے کہ معاشرتی اور اقتصادی ناہمواریوں کے علاج کے طور پر جہاد کو مشروع قرار دیا گیا، تاکہ اس کے ذریعہ خواہ لڑ کر یا لڑے بغیر، مال غنیمت ہاتھ آجائے، پھر اس مال غنیمت کو متعدد مخصوص مقامات پر اور محتاط حصے بنا کر خرچ کیا جائے تاکہ حیات انسانی میں توازن برقرار رکھا جا سکے۔

۶۔ قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ مہاجرین وانصار اور عام مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے، تاہم اس سورہ میں ایک منفرد آیت ہے جس میں نادار مہاجرین اور فیاض انصار کا ذکر ہے کہ جن کا فیض وکرم اس درجہ پر پہنچا ہوا تھا ہے کہ خود تنگ حالی کا شکار ہوتے ہیں مگر اپنے بھائیوں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، اس سے ان مومنین کی آپس میں حد درجہ محبت، اخوت اور ان کے اعلی کردار کا پتہ چلتا ہے، یہی وہ مومن تھے جنہوں نے مدینے میں یہود کا مقابلہ کیا تھا، ضرورت ہے کہ اسلامی لشکر کے اندر بھی یہ صفات پیدا ہوں تاکہ وہ کافر اور ظالم لوگوں پر نصرت اور غلبے کے مستحق بن سکیں، ہم دیکھتے ہیں کہ مومنوں کے درمیان نسل در نسل بعد بھی یہ محبت اور الفت برقرار رہتی ہے، اور بعد کی نسلیں دعا کرتی ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما، اور مومنوں کے سلسلہ میں ہمارے دل میں کینہ اور حسد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

۷۔ قرآن میں مختلف مقامات پر اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ یہود اور ان کے حلیف بزدل ہوتے ہیں اور میدان جنگ میں ثابت قدم نہیں رہ پاتے، تاہم سورہ الحشر اس سلسلہ میں بھی انفرادیت

رکھتی ہے کہ: لا یُقَاتِلُونَکُمْ جَمِیْعاً إِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَاءِ جُدُرٍ. یہ سب تمہارے سامنے آکر نہیں لڑ سکتے ہیں یا تو قلعہ بند ہو کر لڑیں گے یا دیواروں کی پناہ لے کر، اسی صورت حال کا آج ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہیں، اور ہمارا اس بات پر یقین ہے کہ جب بھی کوئی یہودی مجمع اکٹھا ہوگا تو اپنے بچاؤ کے لیے یہی تدابیر اختیار کرے گا۔

۸۔ قرآن مجید کی مختلف صفات کا قرآن کے اندر ذکر آیا ہے تاہم قرآن کی جس عظمت، ہیبت اور قوت تاثیر کا ذکر اس سورہ میں ہے، قرآن کی دوسری کسی سورہ میں نہیں ملے گا: لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ. (الحشر: ۲۱) (اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے۔)

۹۔ قرآن کی بعض سورتوں کے اندر منافقوں اور کافروں کے درمیان گہرے تعلقات کا ذکر ہے، تاہم اس سورہ کے اندر ان متعدد عہد و پیمان کا ذکر ہے، جو یہود اور منافقین کے درمیان انجام کو پہنچے۔

۱۰۔ اس سورہ کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ اس کا اختتام ان تین آیات پر ہوا ہے جن کے اندر صرف اور صرف اللہ کا ذکر پایا جاتا ہے، ہر آیت کی ابتدا هو الله سے ہوئی ہے، اور ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر صراحتاً اور اشارتاً کل ۳۳ ر مرتبہ ان تین آیات کے اندر آیا ہے جس میں ۲۲ ر مرتبہ صراحتاً اور ۱۱ ر مرتبہ اشارتاً یہ ذکر ہے، اللہ رب العزت کی ان اعلیٰ صفات اور بہترین اسماء کا ذکر ہے کہ دل اللہ کی محبت اور اس کی خشیت کی جانب مائل ہونے لگتے ہیں کہ وہ کمال والا ہے، جلال اور جمال والا ہے اور وہ تنہا ذات ہے، جس کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔

۱۱۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ہر صبح و شام اس سورہ کی آخری آیات کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، امام نوویؒ نے معقل بن یسارؓ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو صبح کے وقت تین دفعہ کہے: اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان، اور پھر سورہ الحشر کی آخری تین آیات کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دیتا ہے جو شام تک اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں، اگر ایسی ہی حالت میں اس کی موت آجائے تو وہ شہید ہے اور

اسی طرح جو شام کے وقت پابندی کے ساتھ ایسا کرتا رہے اس کو بھی یہ درجہ بلند حاصل ہو جائے گا۔ (الاذکار للنووی، رقم: ۱۱۴۰۔ نووی کہتے ہیں: ترمذی اور ابن السنی نے اس روایت کو بیان کیا ہے، تاہم اس کی سند میں ضعف پایا جاتا ہے۔)، صحیح مسلم کے شارح امام النوویؒ نے اس کو اپنی کتاب 'الاذکار' میں ذکر کیا ہے، اور اس کے ضعف کو بیان کیا ہے، تاہم اس حدیث سے استئناس کیا جائے گا، اور اس پر عمل کی بھی ترغیب دلائی جائے گی کہ یہ فضائل اعمال سے متعلق ہے، لیکن اگر اس معنی کی کوئی صحیح حدیث تلاش کرنا چاہیں تو نہیں مل سکے گی۔

فصل اول

مومنین اور یہود و منافقین کے درمیان ربانی معرکہ آرائی

یہود کے ساتھ ربانی معرکے کا مطلب یہ ہے کہ ہم زمین میں ان کی تیاریوں کا مقابلہ کسی صورت نہیں کر سکتے، لیکن اللہ رب العزت کے فضل واحسان اور بے پایاں قدرت کے ذریعہ ہم ان کو شکست دے سکتے ہیں، اللہ رب العزت نے ان کو ملک بدر کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے، جیسا کہ سورہ میں مذکور ہے، وہ عنقریب ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا، اور ایسے اسباب مہیا کرے گا کہ وہ خود بھی اپنے گھروں کو تباہ کریں گے اور مومنوں سے بھی تباہ کرائیں گے، وہ ذاتِ برتر ہے جس نے ان کے لیے اس بات کو مقدر کر رکھا ہے کہ قیامت تک کے لیے ان پر ایک ایسا شخص مسلط کر دیا جائے گا جو ان کو بری طرح سے زدوکوب کرے گا، فرمان الٰہی ہے: وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ. (الاعراف: ۱۶۷) (اور (اس وقت کو یاد کرو) جب تمہارے رب نے (یہود کو) آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اُن پر قیامت تک ایسے شخص کو مسلط رکھے گا جو ان کو بُری بُری تکلیفیں دیتا رہے گا۔)، اسی ذات برتر نے ان کے حق میں یہ بات لکھ رکھی ہے کہ ان کو جلاوطن کرے گا کہ وہ دنیا کا عذاب چکھیں، جب کہ وہ تو سخت سزا دینے والا ہے، ہر چیز پر قادر ہے، وہی ہے جس نے ان کے درمیان معرکے گرم کیے، غیب اور حاضر سے باخبر ہے، مومنوں کے لیے رحمٰن ورحیم ہے، اور اس کی پکڑ سے کوئی ظالم بچ کر نکل نہ سکے گا، وہی غالب اور حکمت والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں مسلم بھائیوں سے اس بات پر اصرار کرتا ہوں کہ وہ اس ایک سورہ کے اندر نوے (۹۰) مرتبہ وارد اللہ تعالیٰ کے ذکر پر غور کریں، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ یہ سورہ بنی نضیر کے یہودیوں کے ساتھ محض ایک ہی معرکہ کا ذکر کرتی ہے، لیکن اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہود کے ساتھ کسی بھی معرکے کے

تعلق سے اس میں رہنمائی موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سورہ میں اتنی کثرت کے ساتھ اللہ رب العزت کی قوت اور پکڑ کا ذکر ہے تاکہ مومنین کے دلوں کو ثبات نصیب ہو۔

اگر ہم اصولوں کو تطبیق دے کر دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں مومنین اور یہود اور ان کے حلیف منافقین کے درمیان ربانی معرکے کے بہت سے نقوش ملیں گے، خواہ تاریخ میں دیکھیں، موجودہ صورتحال کا جائزہ لیں یا پھر ہم مستقبل کی جانب دیکھیں، معلوم ہوگا کہ زمانے کے ساتھ ساتھ ان میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی اللہ تعالی نے قرآن کی پچاس سورتوں میں ان کے بارے میں جو بیان کیا ہے اس میں کسی طرح کی تبدیلی آئی ہے، قرآن نے ان کی تصویر کشی اس طرح کی ہے کہ ان کے اندر رب کی ناشکری، فساد و بگاڑ اور خیانت پائی جاتی ہے اور اللہ کا سخت غضب ان کے اوپر نازل ہونے والا ہے۔ ان کے سلسلہ میں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ قوت اور طاقت کی تیاری کے سلسلہ میں یہ سب سے پہلی آیت ہے: وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (الانفال: ٦٠) (اور جہاں تک ہو سکے قوت سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے اُن کے (مقابلے کے) لئے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں کے اندر تمہاری ہیبت بیٹھی رہے گی) اور بنیادی طور سے اس میں یہود کا مقابلہ کرنے کے لیے ترغیب دی گئی ہے، اگر الفاظ کے عموم کا اعتبار کیا جائے نہ کہ مخصوص سبب کا تو یہ جائز نہیں کہ عموم خصوص کو باطل قرار دے دے، چنانچہ وہ اول قوم جس کے مقابلے کے لیے ہمیں حتی المقدور اسباب قوت اکٹھا کرنے ہوں گے، جس میں سب سے پہلے ایمان اور عقیدے کی قوت ہے، اتحاد اور باہمی تعلقات کی قوت ہے، اور پھر ہتھیار اور بازو کی قوت ہے، صریح اور صحیح نصوص کے ذریعہ کہ جن کی دلالت قطعی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ قومِ یہود ہی ہے۔ اگر اس معرکہ کے ربانی ہونے سے متعلق کوئی سوال آتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سورہ کے اندر جس کثیر تعداد میں اللہ کا ذکر آیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ مومنین کے دلوں میں یہودیوں کی جانب سے کسی قسم کا ادنی خوف بھی باقی نہیں بچتا، اور ان کے اسلحہ جات وغیرہ وہ تمام اسباب جن پر انہیں غرور ہے، ان کا سامنا کرنے کے لیے وہ خود کو ہمیشہ تیار محسوس کرتے ہیں!

میں نے سورہ الحشر کی تقریباً تمام ہی آیات پر غور وفکر کیا ہے، ان سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہودیوں کے ساتھ معرکہ زمینی نہیں ربانی معرکہ ہے، ذیل میں اس منہج کے کچھ ایسے نقوش پیش ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معرکہ کی ڈور اس رب العزت کے ہاتھ ہے کہ جس کے سامنے کسی کی کوئی قوت کام نہیں آتی:

ا۔ یہود ہم سے اس میدان میں معرکہ آرا ہوں گے جو پورا کا پورا اللہ رب العزت کی تسبیح میں محو ہوگا، اللہ کے دشمن اس کو کسی صورت نہیں بھائیں گے، وہ میدان اللہ کے بندوں کے لیے مسخر ہوگا، سورہ کا آغاز اور اس کی انتہاء اسی بات پر ہو رہی ہے کہ معرکہ کا میدان اللہ کی تسبیح بیان کر رہا ہے، مومنین سے محبت رکھتا ہے، یہ ظالم صہیونی اس کو کسی صورت نہیں بھاتے۔ الغرض یہ مومنین کے لیے قوت کا سرچشمہ ہے اور کافروں کے لیے رسوائی اور ذلت کا، جیسا کہ غزوہ بدر میں دیکھا گیا کہ مومنین اور کافروں دونوں پر بارش نازل ہوئی، مومنوں کے لیے اس میں رحمت تھی کہ جس سے ان کو ثبات قدمی نصیب ہوئی، بدن کو پاکیزگی ملی اور شیطانی وساوس سے نجات نصیب ہوئی جبکہ وہی بارش کفار کے لیے عذاب اور سزا ثابت ہوئی، ان کی زمین میں کیچڑ ہوگئی، ان کے گھوڑے بدکنے لگے اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، میرے خیال سے اس کی سب سے بڑی تصدیق وہ حدیث ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ قیامت نہیں آئے گی، جب تک کہ یہودیوں سے جنگ نہ ہو جائے، حتی کہ جس پتھر کے پیچھے چھپیں گے وہ پتھر کہیں گے کہ میرے پیچھے یہودی ہے، اے مسلم اس کو قتل کر دو: (صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب قتال الیہود، رقم: ۲۹۶۳)

ایک افسوسناک بات ہے جس کا تعلق امت کے عام افراد سے نہیں بلکہ اس امت کے علماء کرام سے ہے، ۱۹۶۷ء میں نکسہ کے اندر ایک بڑے عالم دین تقریر کرنے کھڑے ہوئے، اور اس حدیث کو خوب تحریف اور تدلیس کے ساتھ بیان کیا، انہوں نے کہا: کہ اے عربو تم غم نہ کرو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ تم یہود سے جنگ نہ کرو، اس وقت پتھر بھی پکارے گا کہ اے عربی آؤ میرے پیچھے یہودی ہے اس کو قتل کر دو۔ اس وقت اسرائیل کے

ریڈیو نے اس کی فوری تصحیح کی اور کہا کہ اسے عربی نہیں بلکہ اسے مسلم ہے، اس نے یہ بھی کہا کہ ہم اس حدیث کو مانتے ہیں اور اسی لیے اپنے اطراف میں مومنین کا وجود ہمیں برداشت نہیں ہے۔)، اس موقع سے ہم پتھروں کی اس تحریک انتفاضہ کو یاد کر سکتے ہیں کہ جب مساجد کے اندر سے مومنین گولی اور بارود کے مقابلہ میں سنگ باری کررہے تھے، اور اس کا اثر انتہائی سخت تھا، وجہ یہ تھی کہ وہ پتھر اللہ کی تسبیح بیان کررہا تھا اور ایسے افراد کے ہاتھوں سے پھینکا جارہا تھا جو مومن تھے، باوضو رہتے اور اللہ کی تسبیح کرتے تھے، بالکل اسی طرح جیسے کہ ابتدائی دنوں میں جب اللہ کی تسبیح میں مشغول بندوں نے اول اول راکٹ کی ایجاد کی تھی، وہ اللہ کا نام لے کر اسے چھوڑتے تھے، اور وہ صہیونیوں کے دل میں رعب اور خوف بیٹھا دیتا تھا، چنانچہ وہ اپنی خندقوں میں جا بیٹھتے تھے، حالانکہ ان کی بھیانک تیاریوں کے سامنے ان کا راکٹ کچھ بھی نہیں تھا!!

۲۔ دوسری آیت میں ہے: هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنتُمْ أَن يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِيْ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيْ الْأَبْصَارِ. (الحشر: ۲) (وہی تو ہے جس نے کفار اہلِ کتاب کو حشرِ اوّل کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے مگر اللہ نے ان کو وہاں سے آ لیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے (بصیرت کی) آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو۔)

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ وہی تنہا ذات ہے جس نے تن تنہا بنونضیر کو وہاں سے نکال باہر کیا، اس وقت جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کر رکھا تھا، گویا کہ محض ان کی زمینی قوت ان کو نکالنے پر قادر نہیں تھی، بلکہ رب ذوالجلال کی قدرت قاہرہ ہی تمام ظالموں اور یہود کا کام تمام

کر سکتی تھی، جیسا کہ اسی سورہ میں بیان فرمایا کہ اللہ رب العزت نے ان کو نکال باہر کیا، حالانکہ وہ خوب دعوے کیا کرتے تھے کہ وہ محفوظ قلعوں میں ہیں، کوئی ان کے اندر داخل ہی نہیں ہوسکتا ہے، کوئی اس کو پھلانگ نہیں سکتا ہے، تعجب کی بات یہ ہے کہ یہود کے اس قدیم دعوے نے اسلام اور نبوت کے ابتدائی مراحل میں مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ بات بٹھادی تھی کہ ان یہودیوں کو بستی سے نکال باہر کرنا امر محال ہے، اللہ تعالی صاف صاف فرماتا ہے کہ تمہیں اس بات کا وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ وہ نکل جائیں گے، (مَا ظَنَنتُمْ أَن يَخْرُجُوا)، حقیقت یہ ہے کہ وہ آج بھی وہی حرکت کر رہے ہیں لیکن ہمارے اور صحابہ کرامؓ کے درمیان فرق یہ ہے کہ ان کو اللہ پر اعتماد اور یقین حاصل تھا، جبکہ ہم میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے دشمنوں کے دعووں پر یقین کر ڈالتے ہیں، اس تعلق سے سنجیدگی کے ساتھ غور وفکر کی ضرورت ہے، کیونکہ یہ کوئی فروعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ عقیدے کا بنیادی مسئلہ ہے، فرمان الٰہی ہے: أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن دُونِهِ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ۔ (الزمر: ٣٦) (کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں؟ اور یہ تم کو ان لوگوں سے جو اس کے سوا ہیں (یعنی غیر اللہ سے) ڈراتے ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔)، اسی طرح فرمان الٰہی ہے: إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءهُ فَلاَ تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔ (آل عمران: ١٧٥) (یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، تو اگر تم مومن ہو تو اُن سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا۔)

صحیح عقیدے کا یہ تقاضا ہے کہ یہود سے ہرگز خوف نہ کھایا جائے، خواہ وہ کتنا ہی اپنی طاقت وقوت کا مظاہرہ کر ڈالیں، مشرق ومغرب اور اپنے دلالوں کی مدد کا جتنا بھی انہیں غرور ہو، اللہ کے اس وعدے پر اعتماد اور یقین کی ضرورت ہے کہ اللہ ان کو نکال باہر کرے گا اور وہ اپنے گھر خود اپنے ہاتھوں سے بھی تباہ کریں گے اور مومنین کے ہاتھوں سے بھی۔

٣۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: وَلَوْلَا أَن كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاء لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ. (الحشر: ٣) (اور اگر اللہ نے ان کے بارے میں جلاوطن کرنا نہ لکھ رکھا

ہوتا تو ان کو دنیا میں بھی عذاب دے دیتا اور آخرت میں تو ان کے لئے آگ کا عذاب (تیار) ہے۔)

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت ہی نے یہود کے لیے جلاوطنی اور دنیا و آخرت کا عذاب مقرر کرر کھا ہے، اللہ ان سے نفرت کرتا ہے، وہ انہیں بکھیر ڈالے گا اور ان کے کرتوتوں کی انہیں سزا دے گا۔

۴۔ اللہ رب العزت اس جلاوطنی اور دنیا و آخرت کے عذاب کا سبب بیان فرماتا ہے: شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُولَه کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور اللہ کا یہ قانون ہے کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا، اسے سخت عذاب دیا جائے گا۔

۵۔ پانچویں آیت ہے: مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ. (الحشر: ۵) ((مومنو!) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو اللہ کے حکم سے تھا اور مقصود یہ تھا کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔)

اس میں اللہ تعالی بیان فرماتا ہے کہ جنگ کی حکمت عملی اسی کی مشیت اور حکم سے تیار ہوئی تھی، اللہ کا یہ حکم تھا کہ یہودیوں کے درخت جلا ڈالے جائیں کیونکہ وہ ان میں چھپ بیٹھتے ہیں، اللہ تعالی درخت کاٹ کر یہ چاہتا ہے کہ فاسق یہودیوں کو رسوا کر دیا جائے۔

۶۔ چھٹی آیت ہے: وَمَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (الحشر: ۶) (اور جو (مال) اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے (بغیر لڑائی بھڑائی کے) دلوایا ہے اس میں تمہارا کچھ حق نہیں کیونکہ اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ مسلمان یہود کے اس کثیر مال تک اللہ کے فضل اور اس کی قدرت ہی سے پہنچ سکے ہیں، اللہ اپنی ارسال کردہ چیزوں کو جس پر چاہتا ہے مسلط فرما دیتا ہے، کبھی یہ چیزیں امراض کی شکل میں ہوتی ہیں، کبھی زلزلے اور آتش فشاں کی صورت میں، کبھی آندھیوں،

جھونکوں، سیلاب اور برف باری کی صورت میں، یا پھر چہرے مسخ کر کے اور اختلافات اور آپسی جھگڑوں کی صورت میں، کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور تنہا اسی کے ہاتھ تمام امور انجام پاتے ہیں۔

۷۔ساتویں آیت ہے: مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ. (الحشر:۷) (جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ اللہ کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت داروں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے تا کہ جو لوگ تم میں دولتمند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔)

اس میں ایک نئی تاکید ہے کہ اللہ ہی ہے جس نے یہود کے اموال بغیر کسی جنگ کے، مال غنیمت کی شکل میں مسلمانوں کو دے دیئے، اللہ رب العزت اس آیت میں مال غنیمت کے حصے متعین فرماتا ہے، خواہ یہ مال غنیمت یہود سے حاصل ہو یا پھر کسی اور سے، اور اس کی جانب سے مال غنیمت کی اس تقسیم میں ایک اہم حکمت پوشیدہ ہے، تا کہ اس دولت کی تقسیم متوازن صورت میں انجام پائے، جس دولت کو یہود جمع کر رکھتے تھے، اور اس پر قبضہ جمائے رکھنا چاہتے تھے، اللہ ان کی دولت کو بکھیر رہا ہے تا کہ وہ محض یہود یا اہل ثروت مسلمانوں کے درمیان گردش کرتی نہ رہ جائے اور نادار اس سے محروم رہ جائیں، پھر اللہ کا فرمان آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی اتباع کرو اور بالخصوص جب یہود سے کوئی معاملہ ہو تو آپ کی اتباع کرو، متواتر روایات ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ہی یہودی قبائل سے جنگ کی تھی، بنی قینقاع، بنی نضیر، قریظہ اور خیبر، اس وجہ سے کہ وہ فساد کا شکار ہو گئے تھے، فریب دیتے اور نقض عہد کرتے تھے، آج ہمارے ساتھ بھی وہ یہی حرکت کر رہے ہیں اور ایک دن میں اس سے کہیں زیادہ کر رہے ہیں جتنا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات مبارکہ میں کیا ہوگا، مسلمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے اس وقت تک ایسے ہی کنارہ کش رہیں گے، جب تک کہ

وہ یہود کے تعلق سے آپ کی پاکیزہ سیرت کو نہ اپنالیں، البتہ اس میں حد درجہ احتیاط سے کام لینا ہوگا کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قوم سے اسی وقت جنگ کی جب کہ ان کی جانب سے خیانت کا مظاہرہ ہوگیا تھا۔ یہود اپنی زمینوں پر آباد تھے، لیکن ان سے محض اس لیے جنگ کی گئی تھی کہ انہوں نے عہد شکنی کی تھی، اور آج کے صہیونی تو ہماری سرزمین پر آکر قابض ہوگئے ہیں، ہم کو دھوکہ دیتے ہیں، ہمارے ساتھ عہد شکنی کرتے ہیں، ہمارے شریف لوگوں کے اوپر ٹوٹ پڑتے ہیں، ان پر تہمت لگاتے ہیں، ان کو قتل کرتے ہیں، عورتوں کو زدوکوب کرتے اور قید میں ڈال دیتے ہیں، بچوں کو مارتے اور تیر کا نشانہ بناتے ہیں، گھروں کو تباہ و برباد کرڈالتے ہیں، مسجد اقصی کی کھدائی کرتے اور وہاں نقب زنی کرتے ہیں، سرزمین مقدس کو یہودی رنگ دینے کی کوشش کررہے ہیں اور اس پر قبضہ جما رہے ہیں، حرم ابراہیمی کو زبردستی لے لینا چاہتے ہیں، زیتون کے درختوں کو اکھاڑ پھینکتے ہیں، کیا ہمارے اندر کچھ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پائی جاتی ہے؟ ہم ان غاصب اور فاجر دراندازوں کے ساتھ مذاکرات اور امن کی باتیں کرتے ہیں، اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنے مذہب، نسل اور وطن کے بھائیوں پر غصہ کا اظہار کرتے ہیں؟ ہم سبھی کو سورہ حشر کی ساتویں آیت کے آخری الفاظ پر ٹھہر کر سوچنا چاہئے کہ اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے، جو بھی یہود سے جنگ کے تعلق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ اپنائے گا، اس کو تقوی کی دولت سے محرومی ہاتھ آئے گی اور اللہ کا سخت عذاب اس کو آلگے گا، بطور خاص ہم دیکھتے ہیں کہ جس نے بھی ان صہیونیوں سے صلح کی یا صلح کی کوشش کی اس کو یہ ذلیل کرتے ہیں اور لوگوں کی نظروں میں ان کو گراڈالتے ہیں، ان کے ساتھ گفتگو اور مذاکرات شروع کرتے ہیں اور بسا اوقات ان سے ان کے گھر والوں اور ان کے وطن کے اوپر معاہدے کر بیٹھتے ہیں، یہ دنیا کا عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو اس سے بہت بڑا ہے، کاش یہ جانتے ہوتے کہ آخرت کا عذاب سب سے بھیانک ہوگا، ولعذاب الآخرة اكبر لو كانوا يعلمون۔ (القلم:۳۳)

۸۔ آٹھویں آیت ہے: لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ

وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَاناً وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُوْلَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ. (الحشر:۸) ((اور) ان مفلسانِ تارک الوطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے ہیں (اور) اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے ساتھ ہمارا معرکہ ایک ربانی معرکہ ہے کیونکہ اللہ رب العزت ہی نے مومنین کو جو اس کے فضل اور رضا کے طالب ہوتے ہیں، اس راستے کی جانب رہنمائی فرمائی ہے، حق کی راہ میں تقوی ان کا عزم ہوتا ہے، اور ان کے دل میں شہادت کی امنگیں تھپیڑیں مارتی رہتی ہیں تاکہ وہ رب کی خوشنودی حاصل کرلیں، وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں کیونکہ حب الٰہی میں وہ سچے ہوتے ہیں، اپنے مال واولاد اور جانوں سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں، رب کے ساتھ ان کی محبت کے سچے ہونے کی عملی دلیل جہاد ہے، اور سارا فضل وکرم اللہ رب العزت کا ہے کہ اس نے اس جانب انہیں ہدایت فرمائی، فرمان الٰہی ہے: وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ۔ (الحجرات:۷) (لیکن اللہ نے تمہارے لیے ایمان کو عزیز بنادیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجادیا۔)

۹۔ نویں آیت ہے: وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (الحشر:۹) (اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور) خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ایک نئی اور لازمی قوت کی ضرورت ہے، وہ قوت ہے مومنین کے درمیان اتحاد اور باہمی تعلقات کی قوت، اور اس قوت کو مومنوں کے اندر پیدا کرنے کی استطاعت نہ تو کسی شہنشاہ کے ہاتھ میں ہے اور نہ ہی کسی نبی اور رسول کے ہاتھ میں، ایمان کی طرح یہ قوت بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کی توفیق عطا فرماتا ہے، وہی ذات برتر ہے جس کی مشیئت سے دلوں کے درمیان الفت اور محبت پیدا ہوتی ہے، فرمان الٰہی ہے:

وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ۔ (الانفال:٦٣) (اوران کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کی دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ ہی نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی۔)

یہاں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اتحاد اور باہمی تعلقات کی قوت محض معمولی درجہ کی نہیں ہے بلکہ اللہ رب العزت نے ان مومنین کو جنہوں نے یہود مدینہ کو شہر بدر کیا تھا، یہ قوت اس درجہ کی دی تھی کہ ان کی باہمی محبت ایثار اور ترجیح نفس تک پہنچ گئی تھی، سخت حاجت مند ہونے کے باوجود بھی وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، ان مومنین کو اللہ نے اپنی مدد اور نصرت سے بہرہ مند فرمایا تاکہ ان کا شمار فلاح پانے والوں میں ہو جائے۔

۱۰۔ مجھے لگتا ہے کہ دسویں آیت: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ. (الحشر: ۱۰) (اور (ان کے لئے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔)

اس آیت کے اندر اللہ تعالی نے اس بات کو بھی واضح کر دیا کہ امت اسلامیہ کے درمیان محبت کا یہ تعلق اور یہ گہری وابستگی نسلوں کے فاصلے کے بعد بھی باقی اور برقرار رہتی ہے، بعد میں آنے

والے اپنے متقدمین کے لیے خوب خوب دعا کرتے ہیں، وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ مومنین کے دلوں سے حسد اور کینہ دور فرما دے، وہ اللہ کی رحمت اور الفت کے طالب ہوتے ہیں، گویا کہ اللہ رب العزت کا یہ اشارہ ہے کہ جب جب کوئی یہودی قوم سرکشی کی روش اختیار کرے گی، اللہ تعالی اپنی نوازش اور رحمت ورافت سے ایک ایسی امت تشکیل دے گا جو رب کے حکم سے یہودیوں کے گھر ویران کر دیں گے، اوران ظالم لوگوں کے مقابلے کا ایک اہم ہتھیار مومنین کے باہمی تعلقات بھی ہوں گے۔

۱۱۔ آگے ارشاد ہے: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَداً أَبَداً وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُون. (الحشر: ۱۱) (کیا تم نے ان منافقوں کونہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے جو اہلِ کتاب ہیں کہا کرتے ہیں کہ اگر تم جلا وطن کیے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کا کہا نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے مگر اللہ گواہ ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔)

اللہ رب العزت یہود اوران منافقین کے درمیان ہونے والے عہد و پیمان کی محتاط اور قطعی خبر دیتا ہے، جو زبان پر اسلام کا نام رکھتے ہیں اوران کے دل اور جوارح اللہ کے دشمنوں کے ساتھ ہوتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا بھر کی تمام قوتوں کو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کی کوئی ان کی جاسوسی ایجنسی ہو، جو انہیں مختلف امور سے آگاہ کرتی رہے، تاہم یہ تمام عالمی ایجنسیاں اللہ رب العزت کے علم اور واقفیت کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں، اللہ رب العزت یہاں منافقین کے بارے میں ایک حقیقت بیان فرما رہا ہے کہ وہ آمادۂ پیکار یہود کے ساتھ عہد و پیمان کیے بیٹھے ہیں، اس طرح اللہ تعالی ایک بات یہ بیان فرما رہا ہے کہ وہ مسلم سماج سے الگ ہیں، ان کا شمار منافقین میں ہوتا ہے، ان کی دوستی ان اہل کتاب سے ہے جنہوں نے سرکشی اور ناشکری کی راہ اختیار کی ہے، اس طرح ان کے دل میں مسلم امت اور مسلم وطن سے کوئی الفت نہیں ہے، ان کی ساری محبتیں دشمنوں کے ساتھ ہیں، وہ اپنا انجام ان یہود کے انجام سے جوڑتے ہیں کہ اگر ان کو نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ جائیں گے، ان کی فکری

وابستگی اور عملی قربت اور اطاعت صرف یہود کے ساتھ ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَداً اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کا کہنا مانیں گے، ان کے بازو اور ان کے ہتھیار کبھی مسلمانوں کے ساتھ نہیں رہیں گے بلکہ یہ ہمیشہ اپنے ظالم یہودی سرداروں کے ساتھ رہیں گے، وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُم اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے، اللہ رب العزت کی جانب سے یہ صاف صاف رپورٹ ان تمام مشقتوں سے بیگانہ کر دیتی ہے جو موجودہ جاسوسی ایجنسیاں کرتی رہتی ہیں، اللہ تعالی یہودیوں کے ساتھ ہونے والے معرکہ کی پلاننگ کرتا ہے، ان کے ایجنٹ منافقین میں سے جو خائن ہوتے ہیں ان کو اسلامی مملکت ہی میں ذلیل ورسوا کر چھوڑتا ہے، تاکہ مسلمان اپنی داخلی صفوں کے تعلق سے ہوشیار ہو جائیں، اور ان خائن لوگوں کے ساتھ مناسب حال معاملہ کریں، شاعر کہتا ہے:

عرفنا الليالي قبل ما نزلت بنا　　　فلما دهتنا لم تزدنا بها علما

(ہم نے مصیبتوں کو آنے سے پہلے ہی جان لیا، جب ہم پر آپڑیں تو وہ ہمارے لیے انہونی نہیں تھیں۔)

اللہ رب العزت یہود کے ساتھ معرکہ کے بارے میں ہمیں تفصیلات سے آگاہ کرتا ہے اور پھر رہنمائی فرماتا ہے، اور مومن بندوں کے دلوں میں امید کی کرن روشن کرتا ہے، تاکہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے معنوی طور پر مطمئن اور خوش رہیں: وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ. اللہ ظاہر کیے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ منافقین کی جانب سے اپنے حلیف یہودیوں کو بار بار تاکید کے ساتھ اطمینان دلانے کے باوجود کہ ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلیں گے، ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے، ہم ہمیشہ تمہاری ہی بات مانیں گے، اللہ رب العزت مومنین کو اطمینان دلا رہا ہے، اور یہ اطمینان ان منافقین کے تاکیدی وعدوں سے بھی زیادہ تاکید کے ساتھ ہے کہ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ. مگر اللہ گواہ ہے کہ یہ جھوٹے ہیں، اس میں مندرجہ ذیل تاکیدیں پائی جاتی ہیں:

۱) اللہ کی جانب سے شہادت ہے، جس کے احاطۂ علم سے کوئی بھی چیز باہر نہیں، اللہ کی شہادت اعلی درجہ کی قطعیت رکھتی ہے۔

۲) مبتدا سے قبل اِنَّ موکدہ ہے، اور خبر سے پہلے لام تاکید آیا ہے۔

۳) یَشْھَدُ میں یاء مضارع کا استعمال ہوا ہے، اور لَکَاذِبُون اسم فاعل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی شہادت دیتا رہے گا کہ یہود کی مدد کے تعلق سے منافقین ہمیشہ جھوٹ بولتے ہیں۔

۱۲۔ اللہ تعالی چاہتا ہے کہ یہود کے ساتھ ہمارے معرکے کے متعلق اس بات کو واضح کردیا جائے تاکہ اس بات پر یقین راسخ ہوجائے کہ منافقین کہیں بھی اور کسی بھی زمانے میں اپنے حلیف یہودیوں کی مدد نہیں کرسکیں گے، ارشاد خداوندی ہے: لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِن قُوتِلُوا لَا يَنصُرُونَهُمْ وَلَئِن نَّصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ. (الحشر: ۱۲) (اور اگر مدد کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کو (کہیں سے بھی) مدد نہ ملے گی۔)، اس طرح اللہ رب العزت اس بات کا ادنی شائبہ بھی نہیں چھوڑتا کہ جس سے اللہ کے دشمنوں کو جھوٹے وعدوں کا کچھ فائدہ حاصل ہو، اور اس بات کی نفی ہوجاتی ہے کہ جب ان کو نکالا جائے گا تو یہ اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہوئے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے، یا جنگ ہوگی تو کچھ بھی مدد کرسکیں گے، اگر ان کی مدد کی کچھ امید ہے تو جان لینا چاہئے کہ وہ تو صرف راہ فرار اختیار کرنے والے اور پیٹھ دکھا کر بھاگ نکلنے والے لوگ ہیں، اس کے بعد سخت انداز میں کہا گیا کہ ان کی مدد نہیں کی جائے گی: ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ. پھر ان کو (کہیں سے بھی) مدد نہ ملے گی، اگر جہاد پر نکلنے والے مومن بندے ان نصوص پر یقین کرلیں تو پھر اس سے زیادہ کون سی معنوی قوت ہے جو ان کے دل میں پیدا کی جاسکتی ہے؟!

۱۳۔ آیت نمبر ۱۳ ہے: لَأَنتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ. (الحشر: ۱۳) ((مسلمانو!) تمہاری ہیبت ان لوگوں کے دلوں میں اللہ سے بھی بڑھ کر ہے یہ اس لئے کہ یہ سمجھ نہیں رکھتے۔)

اس آیت کی ابتدا تاکیدی الفاظ میں ہوتی ہے، لام تاکید آیا ہے جس سے اس بات پر زور دیا جارہا ہے کہ اللہ کے دشمن خواہ یہود ہوں یا منافق ہوں، ان کے دل میں اللہ کے مقابلے میں مومنین کا خوف اور ہیبت زیادہ بیٹھی ہوئی ہے، فرمان الہی ہے: أَنتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِم مِّنَ اللَّهِ.

(الحشر: ۱۳) ((مسلمانو!) تمہاری ہیبت ان لوگوں کے دلوں میں اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔)، اس کا سبب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ یہ سمجھداری اور عقل و دانش سے محروم ہیں۔

۱۴۔ایک اور حقیقت بیان کر دی گئی تاکہ مومنین کے دل یہود سے جنگ اور ان پر غلبہ کے لیے آمادہ ہو جائیں، وہ حقیقت یہ ہے کہ یہود سیاسی اور معاشرتی انتشار کا شکار ہیں، تَحْسَبُهُمْ جَمِيعاً وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى. تمہارا خیال ہے کہ وہ اکٹھا ہیں حالانکہ ان کے دل پھٹے پڑے ہیں، مطلب یہ کہ وہ اتحاد اور باہمی قربت کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن ان کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں، وہ باہم ایک دوسرے سے بغض رکھتے ہیں، چنانچہ ان کے پاس وہ قوت ہی نہیں کہ جس سے وہ فتح و نصرت کے حقدار بنیں، کیا ان کو کفر کی بنیاد پر نصرت خداوندی ملے گی، یا ان کے اختلافات اور جھگڑوں کی بنیاد پر؟ مومنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ ان کے اندر اعلیٰ درجے کے باہمی تعلقات پائے جاتے ہیں، ایمان کی قوت پائی جاتی ہے، ان کے دل سچے ہیں، وہ اللہ اور اس کے رسول کی مدد کے لیے ہمہ دم تیار رہتے ہیں، چنانچہ ان کو اللہ کی جانب سے فتح و نصرت سے ہمکنار کیا جائے گا: وكان حقا علينا نصر المومنين. (الروم: ۴۷)

۱۵۔آیت ۱۵ ہے: كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَرِيباً ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. (الحشر: ۱۵) (ان کا حال ان لوگوں کا سا ہے جو ان سے کچھ ہی پیشتر اپنے کاموں کی سزا کا مزا چکھ چکے ہیں اور (ابھی) ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔)

ایک اور بات بیان کی جارہی ہے کہ یہود اللہ کی سنت سے ناواقفیت رکھتے ہیں، جو حادثہ بنی نضیر کے ساتھ پیش آیا بالکل وہی بنی قینقاع کے ساتھ پیش آیا، اور ان دونوں واقعات میں کوئی بہت زیادہ زمانی فرق بھی نہیں ہے، بس یہی ایک سال ہوگا، انہوں نے عہد شکنی کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ جلاوطن کر دیئے گئے، دوسروں سے نصیحت حاصل نہیں کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ لیا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، دنیا میں کرتوتوں کا مزہ اور آخرت میں دردناک عذاب، یہود اور ان کے جیسے لوگوں کے لیے اس سے خطرناک کون سی دھمکی اور تہدید ہوسکتی ہے؟!!

مجاہدین کے لیے اس سے بڑی اطمینان کی بات اور کیا ہوگی کہ ان کے دشمن دنیا ہی میں اپنے کیے کا انجام دیکھ لیں گے اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب کی سزا ہوگی؟!!

۱۶۔ اللہ تعالی نے یہود اور ان کے مثل دیگر لوگوں کی تہدید پر اکتفا نہیں کیا کہ ان کو دنیا میں اپنے کیے کا وبال چکھنا ہوگا اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، بلکہ ان کے منافقین کے ساتھ کیے گئے عہد و میثاق کے بارے میں بیان کیا کہ: **كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ.** (الحشر: ۱۶) ((منافقوں کی) مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کہ کافر ہو جا جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں مجھ کو تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔)، یہ بھیانک تصویر شیطان کے اس خطبے کی طرح ہے جو جہنم میں اپنے متبعین کے سامنے وہ پیش کرے گا، قرآن کا بیان ہے: وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ (الابراھیم: ۲۲) (جب (حساب کتاب کا) کام فیصل ہو چکے گا تو شیطان کہے گا (جو) وعدہ اللہ نے تم سے کیا تھا (وہ تو) سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا ہاں میں نے تمہیں (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم مجھے شریک بناتے تھے۔ بیشک جو ظالم ہیں اُن کیلئے دردناک عذاب ہے۔)، یہ کتنی حسرت بھری تصویر ہے کہ انسان اس شخص سے دھوکہ کھا جائے جس سے بہت کچھ امیدیں لگائے بیٹھا تھا! منافقین کے حلیفوں کا ہمیشہ سے یہی حال رہا ہے، اگر صہیونیوں سے مذاکرات اور بات چیت کرنے والے لوگ سچ بتائیں تو وہ باآواز بلند کہیں گے: اللہ نے سچ کہا، ہم نے جھوٹ بولا بھی اور جھوٹ سنا بھی، ہم نے

دھوکے دیئے اور دھوکے کھائے، ہمارے معاملات شیطانوں کے ساتھ تھے نہ کہ انسانوں کے ساتھ۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ان میں شیطان کون ہے اور شیطان سے دھوکہ کھانے والا کون ہے!!(ان البقر تشابه علینا)، ہمیں نہیں معلوم کہ کون زیادہ خطرناک اور دھوکہ باز ہے: صہیونی یہود یا پھر عرب منافقین؟! جو کہ مومن مجاہدین کو قتل کرتے ہیں، قید و بند میں ڈالتے اور زدوکوب کرتے ہیں؟! ہم کو اپنے امریکی اور صہیونی پیشواؤں کے سامنے قربان کر ڈالتے ہیں، اور ان کے سامنے صرف اور صرف شیطان کی رضامندی ہوتی ہے اور ان سب کا انجام ذلت اور رسوائی کا ہوگا۔

۱۷۔ اللہ تعالی فرماتا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ کے دشمنوں کو اپنا محبوب بنائے گا اس کا ٹھکانہ جہنم کی گہرائیوں میں ہوگا، آخرت میں ان کے انجام کو ان لفظوں میں بیان کیا کہ: فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ. (تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں (داخل ہوئے) ہمیشہ اس میں رہیں گے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔)، ان کو منہ کے بل جہنم رسید کر دیا جائے گا، یہ آیت سخت معرکے کے دوران مومنین کے ذہن و فکر کو دنیا کی چند روزہ نعمتوں سے نکال کر آخرت کی طرف لے جاتی ہے، تا کہ ان یہود اور ان کے حلیفوں کی تصویر مومنین کے یقین میں اضافہ کر دے کہ وہ رسوا ہو کر جہنم کی گہرائیوں میں گرتے چلے جا رہے ہیں، مومنین کے دلوں کو اس سے شفا نصیب ہوگی اور جنگ میں ان کو مزید اشتعال آجائے گا کہ ان کو پہلی فرصت میں جہنم کے عذاب سے دوچار کر دیا جائے۔

۱۸۔ سورہ کے اختتام میں چند آیات کے اندر مومنین کو ظالموں کے ساتھ معرکہ آرائی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے، تا کہ وہ اپنے اندر تقوی پیدا کریں اور یوم آخرت کے لیے تیار ہو جائیں، فرمان الٰہی ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ. (الحشر: ۱۸) (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیئے کہ اس نے کل (یعنی فردائے قیامت) کے لئے کیا (سامان) بھیجا ہے اور (ہم پھر کہتے ہیں کہ) اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔)، آیت میں تقوی کی تکرار کا سبب

یہ ہے کہ تقوی اللہ رب العزت کی جانب سے فتح ونصرت اور رحمت کی کلید ہے، سورہ النحل میں ارشاد ہوا کہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقوی اختیار کیا اور احسان کا راستہ اپناتے ہیں (النحل: ۱۲۸)، دوسری بات یہ کہ اگر دلوں کی اصلاح ہوگئی تو بس یہی وہ اساس ہے کہ جس کے بعد اللہ تعالی کی رحمتیں اور اس کی مدد نازل ہونے لگتی ہیں، اللہ تعالی ہر دل اور اعضاء وجوارح کے دن رات کے کاموں سے واقفیت رکھتا ہے، خواہ علی الاعلان ہوں یا چھپ چھپا کر، مرض کی حالت میں ہوں یا صحت کی حالت میں، خوشی ہو یا غم، سفر ہو یا حضر، تنہائی ہو یا مجلس، اللہ رب العزت وہ تنہا ذات ہے جو دلوں کے اندر کے حالات، ان کے وسوسوں اور دل کی غفلت اور بیداری سب سے واقف ہے۔

۱۹۔ اس آیت میں مومنین کو ہوشیار کردیا گیا کہ وہ اللہ کو بھول نہ جائیں کیونکہ ایسی صورت میں وہ عزت وعظمت اور فتح ونصرت کی بنیاد سے محروم ہو جائیں گے، اس سلسلہ میں یہ اصولی بات ہے کہ جو اللہ کی یاد سے غافل ہوگا اللہ اس کو چھوڑ دے گا، اور پھر زمین کی قوت کے ساتھ اس کو آسمانی کمک سے بھی محرومی کا سامنا کرنا پڑے گا اور وہ شیطان کی طرح آوارہ پھرے گا، اللہ تعالی فرماتا ہے کہ: وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَاناً فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ۔ (الزخرف: ٣٦) (اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کرلے (یعنی تغافل کرے) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔)، اور پھر شیطان اس کمزور انسان پر اپنی چالیں چلنا شروع کردیتا ہے، اور اللہ کا تو فرمان ہے کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے (النساء: ۲۸)، جب شیطان اس کو اپنے پھندے میں کس لیتا ہے تو اس وقت اس کو احساس ہوتا ہے کہ اس نے تو سب کچھ ہی کھوڈالا، اب اس کے پاس اس بات کا کوئی موقع نہیں باقی بچتا کہ وہ کھوئی ہوئی چیزوں کی بازیافت کر سکے، اور ان کھڈوں سے نکل سکے جن کی گہرائیوں تک وہ پہنچ گیا ہے (اولئک هم الفاسقون۔ یہی فاسق لوگ ہیں۔)

۲۰۔ سورہ کے اختتام پر اللہ تعالی مومنین کے احساس کو عزت وکرامت کی بلندیوں سے ہمکنار کررہا ہے، ان کو اس مقام سے روشناس کرارہا ہے کہ وہ کافروں اور ظالموں کی ان سب حرکتوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، جن کی بنا پر یہ ظالم غرور کا شکار ہوتے ہیں، ان کے سامنے صرف دنیوی

پیمانے ہوتے ہیں حالانکہ اصل پیمانہ تو اخروی پیمانہ ہے، فرمان الٰہی ہے: (خافضة رافعة: الواقعة: ۳)، کسی کو پست کرے کسی کو بلند، ہم اللہ رب العزت کا یہ اعلان بھی سنتے ہیں کہ: لَا يَسْتَوِىٓ أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ. (الحشر: ۲۰) (اہلِ دوزخ اور اہلِ بہشت برابر نہیں اہلِ بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔) ہمارے معرکے کا آخری فیصلہ تو آخرت کے دن ہوگا، ہم کامیاب ہوں گے اور وہ ناکام۔ ہم خواہشات نفسانی اور مردود شیطان پر غالب اور فتحیاب ہوں گے، جبکہ وہ پسپا اور شکست خوردہ: يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِى النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ. (القمر) (اس روز منہ کے بل دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے اب آگ کا مزہ چکھو۔)

۲۱۔ اگر ساتویں آیت میں اس بات کی تاکید ہے کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو ہدایت اور رہنمائی مل رہی ہے اس کی پیروی اور اتباع کریں، اور جس چیز سے آپ نے ہمیں روکا ہے اس سے باز رہیں، تو اختتام سورہ پر طاقت وقوت کا عظیم سرچشمہ مسلمانوں کے سامنے لاکر رکھ دیا کہ: لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ. (الحشر: ۲۱) (اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ فکر کریں۔)، ہمارے پاس زمین کی ساری قوتوں سے عظیم قوت وطاقت ہے، قرآن کے ذریعہ ہم ہر طرح کی طاقت وقوت جمع کر سکتے ہیں، خواہ ایمان وعقیدے کی قوت ہو، اتحاد اور باہمی تعلقات کی قوت ہو، یا پھر بازو اور ہتھیاروں کی قوت ہو، ان تمام کی رہنمائی ہمیں قرآن کی وحی اور روشنی سے مل جاتی ہے، قرآن مومنین کی قوت کا راز ہے، جس وقت کفار صرف اور صرف مادی قوتوں پر اپنی نظر جمائے بیٹھتے ہیں اس وقت مومنین معنوی قوتوں کی جانب متوجہ رہتے ہیں، اہل دنیا زمینی قوت کے سلسلہ میں متفکر رہتے ہیں جبکہ اہل ایمان پہلے ربانی قوت کی طرف دیکھتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن ہمیشہ ربانی قوت سے وابستہ رہتا ہے کہ جس کے ہاتھ تمام ہی امور ہیں۔

۲۲۔سورہ کے اختتام میں اجمال ہے، جس میں میدان معرکہ میں اللہ رب العالمین کے سوا کوئی نظر نہیں آتا، سارے خیمے اجڑ چکے ہوں گے: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ (الرحمن: ۲٦ تا ۲۷) (جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے۔اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحبِ جلال وعظمت ہے باقی رہے گی۔)، کیا ہی شاندار انداز سے اس سورہ کا اختتام ہوا ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا ہے: هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ. هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ. هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. (الحشر: ۲۲ تا ۲۴) (وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں بادشاہ (حقیقی) پاک ذات (ہر عیب سے) سالم، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست بڑائی والا۔ اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب نام اچھے ہیں جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔)، مومنین کو اس مقام پر صرف اللہ ہی نظر آتا ہے، وہ اسی کی طرف بھاگے چلے جاتے ہیں، اس کے اوپر اعتماد کرتے ہیں اور اپنا معاملہ اسی کے حوالے کر دیتے ہیں، ان کا رب ان کی آواز پر لبیک کہتا ہے، وہ جتنے کی تمنا رکھتے ہیں اللہ اس سے زیادہ ان کو دینے والا ہے، آسائش بھری جنتیں، کھلی ہوئی کامیابی، عظیم فتح، جیسا کہ سچے اور مجاہد مومنین سے اللہ کا وعدہ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۔ وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ

قَـرِيُـبٌ وَبَشِّـرِ الْـمُـؤْمِـنِيُـنَ۔ (الصف: ۱۰ تـا ۱۳) (مومنو! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں جو تمہیں عذابِ الیم سے مخلصی دے؟۔ (وہ یہ کہ) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو باغہائے جنت میں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے جاودانی میں (تیار) ہیں داخل کرے گا یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو (یعنی تمہیں) اللہ کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی) اور فتح (عن) قریب (ہوگی) اور مومنوں کو (اس کی) خوشخبری سنادو۔)

اس طرح دیکھتے ہیں کہ یہود اور ان کے حلیف منافقین کے ساتھ ہمارا معرکہ اپنے اندر محض زمینی پہلو نہیں رکھتا ہے، بلکہ یہ ایک آسمانی اور ربانی معرکہ ہے جس کی ساری تدابیر اللہ جل شانہ کی جانب سے کی جاتی ہیں کہ ساری قوت، عزت، عظمت اور سطوت کا وہی مالک ہے، ظالموں کے اوپر اس کی سخت پکڑ ہوگی اور مومنین کے اوپر اس کی جانب سے رحمت اور شفقت ہوگی، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ایمان کے مطالبات اور تقاضوں کو پورا کریں، اور جس جس طرح کی قوتوں کا ذکر کیا گیا اس کے لیے تیار ہو جائیں پھر معاملہ اللہ کے حوالے کر دیں اور اس پر مکمل اعتماد رکھیں کہ وہی تمام جہانوں کا رب ہے، یقین رکھیں کہ کامیابی اور نصرت ہمارے ہاتھ آئے گی، ہمارے دشمنوں کو بالآخر پسپائی اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا، کامیابی ہمارا راستہ ہے اور ناکامی اور خسارہ ان کا انجام۔

فصل دوم

قیاس اور عبرت

فرمانِ الٰہی ہے: هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنتُمْ أَن يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ. (الحشر: ۲) (وہی تو ہے جس نے کفار اہلِ کتاب کو حشرِ اوّل کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے مگر اللہ نے ان کو وہاں سے آلیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے۔)

اللہ رب العزت نے اس فرمان کے ذریعہ نگاہوں کو قیاس اور عبرت کے منہج کی جانب متوجہ کردیا کہ بنی نضیر کو جس انجام کا سامنا کرنا پڑا، اگر کسی اور نے ان کی جیسی حرکت کی تو اسے بھی ویسے ہی انجام کا سامنا کرنا پڑے گا، اللہ رب العزت نے فرمایا: فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ. تو اے بصیرت رکھنے والو! اس سے عبرت لو۔ ائمہ تفسیر میں سے طبری، رازی، شوکانی اور جصاص وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت بنی نضیر کے سلسلہ میں آئی، جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نقض عہد کیا، ان سے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کہ مدینہ سے نکل جاؤ۔ تو انہوں نے جواب دیا: موت ہمیں اس سے پیاری ہے، اس پر انہوں نے جنگ کی منادی کرادی، اور قلعہ بند ہوگئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیس دن تک ان کا محاصرہ کیا، پھر جب اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور ان کو اس بات سے مایوسی

ہوگئی کہ اس مقام پر اب زیادہ نہیں ٹھہر سکیں گے، تو وہ شام کی جانب کوچ کر گئے۔

اس آیت میں ایک بات عبرت کے لیے پیش کی گئی ہے، حادثاتی امور میں قیاس کرنا بھی ایک قسم کی عبرت ہے، چنانچہ حوادث اور متشابہ امور میں اس کا استعمال لازمی ہوگیا۔ (تفسیر الطبری: ۱۹/۱۸)، تفسیر الرازی: ۲۷۹/۲۹)، (فتح القدیر للشوکانی: ۱۹۵/۵)، احکام القرآن للجصاص: ۳۱۷/۵)

آلوسی نے لکھا ہے کہ اس آیت سے قیاس پر عام طور سے استدلال کیا جاتا ہے، کیونکہ عبرت کا مطلب ہوتا ہے کہ ایک امر سے دوسرے امر تک رسائی حاصل کی جائے، اور یہ چیز قیاس میں بھی پائی جاتی ہے (روح المعانی للآلوسی: ۳۶/۲۸)

امام رازیؒ نے بیان کیا ہے کہ اس آیت سے قیاس کی حجیت پر استدلال کیا جاتا ہے، تاہم انہوں نے اپنی تفسیر میں اس پر کافی مختصر گفتگو کی ہے جب کہ اپنی دوسری کتاب المحصول میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے (المحصول للرازی: ۳۷/۵ تا ۵۲)، اور اس سے قیاس کی حجیت پر کافی طویل استدلال کیا ہے، اسی طرح آمدیؒ نے الاحکام میں، السبکیؒ نے الابھاج میں، البدخشی اور الاسنوی نے اپنی شرح میں، ابن قدامہؒ نے روضۃ الناظر میں، تاہم کچھ لوگوں نے اس سے قیاس کی حجیت کا انکار کیا ہے، جن میں فقہ شافعی سے امام غزالی اور زیدیہ سے امام شوکانی ہیں، اور اس کے علاوہ امامیہ اور ظاہریہ بھی انکار کرتے ہیں۔

جمہور مفسرین اور اصولیوں نے جب یہود کا ذکر کیا کہ وہ قلعہ بند ہوگئے، اور اپنی قوت اور طاقت پر اعتماد کر بیٹھے، تو اللہ نے ایسے ان کی پکڑ کی کہ وہ اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے تھے۔ چنانچہ ان کی طاقت کچھ بھی کام نہ آئی، اور وہ مدینہ سے جلاوطن کر دیئے گئے، اس پر کہا گیا: فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَار تو اے بصیرت رکھنے والو! اس سے عبرت لو۔ یعنی ان کی حالت دیکھو اور اس حالت کو اپنے اوپر قیاس کرو کہ اگر تم نے ان کی جیسی حرکت کی تو تمہارا بھی وہی انجام ہوگا جو ان کا ہوا ہے، عربی میں اعتبار کا لفظ عبور سے نکلا ہے اور عبور کے معنی ہوتے ہیں ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہونا، اور قیاس کہتے ہیں کہ اصل کے حکم سے فرع تک پہنچنا ایک ایسی علت کے ذریعہ جو دونوں کے درمیان

مشترک ہو، اس طرح قیاس کا حکم دلیل اشارہ کا ہوگا، شیخ عبدالوہاب الخلاف کہتے ہیں: اعتبار خواہ اس کی تفسیر اتعاظ سے کی جائے یا پھر عبور سے، اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اللہ کی یہ سنت ہے کہ جو معاملہ ایک چیز کے ساتھ ہوتا ہے وہی معاملہ اس کے مثل دوسری چیز کے ساتھ بھی ہوتا ہے، مثال کے طور پر، ایک ملازم اگر رشوت کے سبب اپنی ملازمت سے نکال دیا جاتا ہے اور افسر تمام ملازمین سے کہتا ہے کہ اس میں تمہارے لیے عبرت ہے، یا اس سے عبرت لو، تو تمام لوگ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں کہ اگر انہوں نے ایسی حرکت کی تو ان کا بھی اسی ملازم کے جیسا انجام ہوگا۔ (مصادر التشریع الاسلامی فیما لانص فیہ للشیخ الخلاف: ۳۲)

میں نے اپنی کتاب 'الادلۃ الاجتہادیہ بین الغلو والانکار' میں قیاس سے متعلق گفتگو کے دوران مختلف مفسرین اور اصولیوں کے اقوال اور قرآن میں جن آٹھ جگہوں پر اعتبار کا لفظ استعمال ہوا ہے، ان سب کو بیان کیا ہے، بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ آٹھوں مقامات قیاس کی حجیت پر صحیح طور سے دلالت کرتے ہیں، تعجب کی بات ہے کہ ان میں سے بیشتر مقامات ظالموں سے اللہ کے انتقام کے متعلق ہیں، اس طرح اعتبار کا مطلب ہوتا ہے کہ ماضی کو پار کرتے ہوئے حال تک پہنچ جایا جائے، ذیل میں کچھ کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱) سورہ النازعات میں فرعون کی ہلاکت کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا گیا: فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَى۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَن يَخْشَى۔ (النازعات: ۲۵ تا ۲۶) (تو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔ جو شخص (اللہ سے) ڈر رکھتا ہے اس کے لئے اس (قصے) میں عبرت ہے۔)۔

۲) سورہ آل عمران میں اللہ تعالی نے دو گروہوں کی مڈبھیڑ کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے مومن گروہ کی اللہ تعالی نے کافروں کے مقابلے میں مدد فرمائی، اور اس واقعہ کے اختتام میں اعتبار کا ذکر کیا، تاکہ اس بات کی یاددہانی ہو جائے کہ اگر ہم ایمان پر جم گئے اور ہمارا سامنا اللہ کے دشمنوں سے ہوا تو اللہ کی جانب سے ہماری مدد کی جائے گی، آیت میں کہا گیا: قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ

تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ۔ (آل عمران:۱۳) (تمہارے لئے دو گروہوں میں جو (جنگ بدر کے دن) آپس میں لڑے (اللہ کی قدرت کی عظیم الشان) نشانی تھی۔ایک گروہ (مسلمانوں کا تھا وہ) اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ (کافروں کا تھا وہ) اُن کو اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا مشاہدہ کر رہا تھا۔اور اللہ تعالیٰ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔جو اہلِ بصارت ہیں اُن کیلئے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے۔)

بنی نضیر سے عبرت والی آیت سے ہمیں یہود کے ساتھ کشمکش کے تعلق سے کچھ اہم امور کی جانب رہنمائی ملتی ہے، جن میں چند اہم کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ یہ معرکہ درحقیقت یہودی کفار اور اللہ رب العزت کے درمیان ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے منہج میں اس پر روشنی ڈالی ہے، اللہ رب العزت ہی نے ان کو جلاوطن کیا، ان کی اس طرح گرفت کی کہ ان کو اس کا اندازہ بھی نہیں تھا، اسی نے ان کے دلوں میں رعب ڈالا، اسی نے ان کو بصیرت سے محروم کیا، جس کے نتیجے میں انہوں نے خود بھی اپنے گھروں کو تباہ کیا اور مسلمانوں سے بھی ان کو تباہ کرایا، اور اللہ نے مومنین کی رہنمائی فرمائی، ان کی مدد کی اور ظالموں کے وجود کو نیست و نابود کر دیا۔

۲۔ آیت کے اختتام میں اعتبار (عبرت) سے تکرار کا معنی نکلتا ہے کہ ماضی کے واقعات دوبارہ رونما ہوں گے، یہود بنی نضیر کی طرح قلعہ بند ہو رہے ہیں، اپنے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ ان کی طاقت و قوت اس درجہ کی ہے کہ ان پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ میدان میں وہ ذرا بھی نہیں ٹک پاتے ہیں، اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر تباہ کرتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، اور اس اعتبار کا کوئی مطلب نہیں ہوتا ہے اگر اس کے ساتھ اس بات کا مکمل یقین نہ پایا جاتا ہو کہ آج جو کچھ حرکتیں ان کی جانب سے ہو رہی ہیں، عنقریب اس کے نتیجے میں ان کے ساتھ بھی وہی معاملہ کیا جائے گا جیسا کہ ماضی میں بنی نضیر کے ساتھ کیا گیا تھا، لیکن سب سے پہلے ہمیں جو کام کرنا ہے وہ یہ کہ ہم اپنے اندر اہل ایمان کی خصلتیں اور صفات پیدا کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہم اللہ رب العزت کی عنایات،

اس کی تائید ونصرت اوراس کی جانب سے نصرت وغلبہ کے مستحق بن سکیں، یہی قیاس ہے کہ فقہ کے دائرے سے نکل کر پوری حیات انسانی کا احاطہ کیا جائے۔

میں تاکید کے ساتھ یہ بات کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہماری انتھک کوشش ہونی چاہیے کہ اپنے اندر مومنانہ صفات پیدا کریں اور صہیونیوں کے خلاف معرکہ آرا ہو جائیں، اس بات کی امید اور یقین اپنے اندر پیدا کریں کہ اللہ رب العزت ان کے گھروں کو ان کے اپنے ہاتھوں اور مومنین کے ہاتھوں تباہ کردے گا، جیسا کہ ماضی میں ان کے ساتھ ہوا تھا اور امید ہے کہ موجودہ حالات میں بھی ان کے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔

فصل سوم

دشمن کی شناخت

تمہید

مسلمانوں کے حقیقی دشمن اور ان کے ساتھ ہمارا رویہ

کسی بھی صاحب بصیرت سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ پیدائش کے وقت سے ہی انسان کے اندر مختلف قسم کے فطری جذبات پائے جاتے ہیں، خوف وامید کے، محبت ونفرت کے، ترغیب وترہیب کے، مہربانی اور سخت دلی کے، حقائق اور مفروضات کے، اقدام اور پسپائی کے، خیر کی جانب رغبت اور شر کی جانب میلان کے۔صحیح اسلامی تربیت ہی کے ذریعہ ان جذبات اور میلانات کو صحیح رخ دیا جاسکتا ہے، یہ ایک امر مشکل یا امرِ محال ہے کہ انسان تمام کائنات کے انسانوں کے نزدیک محبوب بن جائے ، یا تمام کائنات سے نفرت کرنے لگے، یا ہمیشہ مہربانی کے جذبات ہی اس کے اندر پائے جاتے ہوں، ہمیشہ سخت دل ہی ثابت ہو، یا مفروضات ہی پر اس کی زندگی قائم ہو، یا شر کی جانب اس کے اندر ایسا میلان پایا جاتا ہو کہ اس سے کسی خیر کی امید ہی ناممکن ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے اندر قرآن مجید نے بنیادی نقوش بیان کردیئے ہیں، چار مرتبہ اس میں رحمت کا ذکر ہے، لیکن اس رحمت کا نتیجہ یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کی سرکوبی نہیں کی جائے جو اللہ کے غضب کے شکار اور گمراہ ہیں نیز اس کی جانب سے سرکوبی کے مستحق ہیں، ایک عربی شاعر کہتا ہے:

قسا لیزدجروا ومن یک حازما   فلیقس احیانا علی من یرحم

مظلوموں کے ساتھ رحم دلی اور ظالم کی سرکوبی کے لیے لازمی ہے کہ حکومت اسلامیہ اور مسلم جماعت ان لوگوں کے خلاف اقدام کرے، اور ان کے ساتھ سختی اور جبر کا معاملہ کرے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول اور انسانیت کے دشمن ہیں، فرمان الٰہی ہے: فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ۔ (البقرہ:۱۹٤) (پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اُس پر کرو۔) وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔ (البقرہ:۱۹۰) (اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔)

حقیقت میں ہم امت اسلامیہ کی اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں، جس کے یہاں التباسات اپنی حد کو پہنچے ہوئے ہیں، ایک وقت تھا کہ ان ظالم یہودیوں سے قتال کی آیات صبح وشام ہر وقت نشر کی جاتی تھیں، ان کو ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ پر نشر کیا جاتا تھا، مختلف پروگرامس، محفلوں اور تعلیم وتدریس کے دوران ان کو بیان کیا جاتا تھا، لیکن آج ایک خیالی امن کی تلاش نے ان تمام کو پردۂ خفا میں ڈال دیا، ایک وہمی امن کے قیام کی کوشش ہے، ایک ایسے خطرناک دشمن کے ساتھ امن کے قیام کی کوشش ہے، تاریخ کے مختلف ادوار میں جس کے بدترین کارناموں کا ذکر قرآن مجید میں خوب تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

جب تمام مسلم قوم اپنی حکومتوں کے ساتھ ایک خندق پر یہودیوں اور ان کی حلیف مغربی طاقتوں کے خلاف مجتمع تھیں، اس وقت امت مضبوط تھی، جب اکتوبر والی جنگ کا فیصلہ کیا گیا تھا، اس وقت پوری امت مشرق ومغرب میں جنگ کے لیے تیار ہوگئی تھی، اس جنگ میں پٹرول کا استعمال کیا گیا تھا، امت کی قوت اور عزت کی یہ ایک علامت ہے، اس وقت معاشرہ کا داخلی تحفظ بھی خوب مضبوط تھا، کنٹرول بھی خوب تھا، قوم کی تمام طاقتوں کا بہاؤ بیرون کی جانب تھا۔ اس وقت شرعی، سیاسی، اقتصادی اور دفاعی، غرض ہر لحاظ سے آج کے مقابلہ میں بہتر حالت تھی!

لیکن جب غاصب قوم کے ساتھ ایک وہمی اور خیالی امن کی بنیاد ڈالنے کا ایک عام رجحان

بن گیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قوتوں کا بہاؤ بیرون سے اندرون کی جانب ہو گیا، قومی امن خطرے میں پڑ گیا، ایک ہی گھر اور خاندان، ایک ہی امت اور وطن کے اندر جرائم میں اضافہ ہونے لگا، عائلی جرائم نے باپ بیٹوں، شوہر بیویوں، اعزہ اقرباء، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے درمیان پھوٹ ڈال دی، پرتشدد جماعتیں وجود میں آئیں، معاشرے میں مختلف گروہ آپس میں برسر پیکار ہو گئے، امن کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا، مشرق ومغرب کی شرانگیز قوتوں کو پھلنے پھولنے کا شاندار موقع ہاتھ آ گیا، ذہین عقل ودماغ لوٹ کا شکار ہونے لگے، دولت اور پیداوار کے ذرائع، مدفون ذخائر اور معدنیات پر چیرہ دستی شروع ہو گئی، آزاد انسانوں کا قتل عام کیا گیا، عصمتیں لوٹی گئیں، تاہم آج بھی بعض اہل اسلام امن کے دعوے کر رہے ہیں تاکہ جو کچھ امن وامان اور سکون وراحت باقی ہے وہ بھی غارت ہو جائے، آج تمام مملکتیں اور رعایا پریشان ہیں، وہ اس گھبراہٹ، رعب، خوف اور اندیشوں کا خاتمہ کرنا چاہتی ہیں، لیکن اس کا حل اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ

۱۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے حقیقی دشمن کی شناخت کی جائے، اس کی تعیین میں کسی طرح کی غلطی ہونے کا امکان نہیں، کیونکہ قرآن مجید اس علام الغیوب کی جانب سے وحی کردہ ہے جو دن، رات اور گھٹا ٹوپ تاریکیوں کے تمام رازہائے سربستہ سے واقف ہے۔

۲۔ وہ دشمن جو حقیقی دشمن ہے، کوئی وہمی یا خیالی نہیں، اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تمام قسم کی قوتوں کے حصول کے لیے تیاری کی جائے، اس کے لیے عملی استعداد، تعلیمی نظام اور میڈیا پروگرامس کو استعمال میں لانے کی ضرورت ہے۔

۳۔ تعلیمی اداروں کے طلبہ ونوجوانوں کی تربیت کی جائے، ان کو روحانیت، بہادری اور جوانمردی کی تعلیم دی جائے، ان کے اندر وطن، قومی عظمت نیز مقامات مقدسہ کے سلسلہ میں غیرت وحمیت بیدار کی جائے، ان کو اس ذمہ داری کا احساس دلایا جائے کہ وہ ہر اس خطرے سے ملک کا دفاع کریں گے، جو ہمارے دین، ہمارے ملک، ہماری وطنی عظمت اور ہمارے مقدس مقامات کو لاحق ہو گا۔

۴۔ امت کی شیرازہ بندی کرنے، اس کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے اور مختلف جماعتوں،

گروہوں اور مسالک کے درمیان قربت پیدا کرنے کے لیے سعی وجہد کی ضرورت ہے، تاکہ نظروں کے سامنے ایک ہی دشمن باقی رہ جائے، جس کے خلاف سب ایک ساتھ صف آرا ہوں، اس کے پھیلتے ہوئے اقتدار کو روک دیں۔ اللہ تعالی کی بھی یہی مرضی ہے، اس نے ہمیں اختلافات سے ہوشیار فرمایا ہے: وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ (الانفال:٤٦) (اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو کہ اللہ صبر کرنے والے کا مددگار ہے۔)، ہر مسلمان کو اس بات کا یقین ہونا چاہئے کہ ہماری قوت اتحاد میں ہے، اختلافات میں ہماری کمزوری ہے، لیکن اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ جب اس اتحاد کی جانب کوئی سنجیدہ قدم اٹھایا جائے گا، اس وقت ایسی اندرونی قوتوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن کا رجحان اور میلان دشمنوں کی جانب ہے، ان کو رب کی جانب سے نازل کردہ آیات قرآنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، نہ ہی یہ لوگ ملک وملت کے مفاد کی خاطر اپنی عقل ودانش کا استعمال کرتے ہیں۔ یوروپ نے بھی ایک زمانہ میں سخت ترین اور خطرناک جنگوں کا سامنا کیا، لاکھوں جانوں کا ضیاع ہوا، تاہم آج یورپی اتحاد کا قیام عمل میں آگیا ہے، ان کا ایک وجود، ایک دستور اور ایک مشترک ہدف ہے، وہ تاریخی اختلافات کو بھلا کر حال اور مستقبل پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ ان کی سیاست ہے، جبکہ ہم نے نہ تو دینی اعتبار سے اس جانب پیش قدمی کی ہے اور نہ ہی سیاسی اعتبار سے، چنانچہ دنیا ہمارے ہاتھ سے نکل گئی، اور آخرت کی پکڑ تو بہت ہی سخت ہوگی: وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ۔ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ (آل عمران: ١٠٥ تا ١٠٧) (اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور واضح احکام کے آنے کے بعد ایک دوسرے سے (خلاف و) اختلاف کرنے لگے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر (قیامت کے دن) بڑا عذاب ہوگا۔ جس دن بہت سے منہ سفید ہوں گے اور بہت سے منہ

سیاہ۔تو جن لوگوں کے منہ سیاہ ہوں گے (اُن سے اللہ فرمائے گا کہ) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ پس (اب)اس کفر کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو۔اور جن لوگوں کے منہ سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت (کے باغوں) میں ہوں گے اور اُن میں ہمیشہ رہیں گے۔)

۵۔اللہ سے امید اور اس نے نصرت اور غلبہ کا جو قطعی اور یقینی وعدہ کیا ہے اس پر ہمارا محکم یقین ہونا چاہیئے ،تعداد خواہ کتنی ہی کم ہو، تیاری جیسی بھی ہو،اس کے لیے انتھک جدو جہد کی جائے اور اللہ پر بھروسہ رکھا جائے کہ وہ نصرت اور غلبہ سے ہمکنار فرمائے گا،فرمان الٰہی ہے:وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئاً۔ (النور:۵۵) (جولوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ اُن کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا اُن سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور اُن کے دین کو جسے اُس نے ان کیلئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے۔)

۶۔فرمان الٰہی ہے:وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ (الحج:۴۰) (اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اُس کی ضرور مدد کرتا ہے بیشک اللہ توانا اور غالب ہے۔)،اسی طرح ایک جگہ فرمایا:وَكَانَ حَقّاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ۔ (الروم: ۴۷) (اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔)

تاریخ اسلامی میں سرایا سے لے کر غزوہ بدر اور بعد کے غزوات میں اس بات کی بہترین شہادت موجود ہے کہ مومنوں کی قلیل تعداد کافروں کی کثیر تعداد پر غلبہ حاصل کرتی رہی ہے،فرمان الٰہی ہے:كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ۔ (البقرہ: ۲۴۹) (کتنی ہی چھوٹی جماعتوں نے اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ استقلال رکھنے والوں کے ساتھ ہے۔)

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ امت کی تاریخ میں ایک بھی فتح ایسی نہیں ملے گی کہ جب تعداد اور

تیاری ہر دو اعتبار سے مسلمان فوج دشمن کے مقابلہ میں یکساں حیثیت اور مقام رکھتی ہو۔

۷۔اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ میڈیا ذرائع کے ذریعہ بغیر کسی تحریف اور اضافہ کے صہیونی دشمن کی ہو بہو تصویر سامنے لائی جائے۔مغربی میڈیا نے جس طرح ہمارے سامنے اس کی تصویر کشی کی ہے، اس میں کسی ادنی مبالغہ کی ضرورت نہیں، یہ حقائق بذات خود ایک آزاد انسان کے عقل و وجدان میں تلاطم برپا کرنے کے لیے کافی ہیں، جس سے وہ اس ڈر اور ہیبت کے خلاف متحرک ہو جائیں جس نے پوری امت کے امن وسکون کو غارت کر رکھا ہے، اس کے حال کو تباہ اور اس کے مستقبل کو اندیشوں کی زد میں ڈال رکھا ہے، اس کے مقدسات اور اس کی عصمتوں پر خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ اس بات کی شدید ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ آج ہی سے اس کام کا آغاز کر دیا جائے، قبل اس کے کہ موقع ہاتھ سے نکل جائے، بالخصوص اس صورت حال کے پیش نظر کہ ہمارے پاس مغرب کی گود کا ایک طویل عرصہ کا تلخ تجربہ بھی ہے، ہم نے ان کی نامعقول ہدایات پر خوب کان دھر کے دیکھ لیا ہے، طویل مدتی امن وامان کی تلاش میں ہمارا امن وسکون غارت ہو گیا۔ ہم کو دشمن سے سبق لینے کی ضرورت ہے، جس نے اپنے پہلے دشمن یعنی اسلام اور مسلمانوں کی تصویر خراب کرنے کے لیے تمام حدود پھلانگ ڈالے، اس کے لیے انہوں نے دہشت گردی کو ہتھکنڈہ بنایا، نائن الیون کے موقع سے مہلوکین کی تعداد تین ہزار سے زائد نہیں تھی، تاہم انہوں نے اس کے سبب لاکھوں افراد کو افغانستان، عراق اور پاکستان میں قتل کر ڈالا!!

مغرب کی جانب سے اسلام اور مسلمانوں کی اس تصویر کشی سے متعلق حقائق کا جن کو یقین نہیں ہے، انہیں وکی پیڈیا پر ’صورة العدو‘ کے نام سے موجود مضامین کا مطالعہ کرنا چاہیے (http://ar.wikipedia.org/wiki/)، اس میں وکی پیڈیا نے دشمن کی صورت گری کے فوائد کو چند نکات میں پیش کیا ہے، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱۔دشمن پر یلغار کے لیے قانونی جواز کا ایک ذریعہ ہے۔

۲۔اس سے معاشرتی تشخص نیز معاشی اور معاشرتی بحران کا سامنا کیا جاتا ہے۔

اس میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ وہ دشمن جس کی جانب سے اپنے وجود کو خطرہ ہوتا ہے، اس پر یلغار کے سلسلہ میں داخلی یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔

نائن الیون کے بعد اسلام آن لائن (www.islamonline.net) پر استاد نبیل شبیب (بون، جرمنی) کا ایک مضمون نشر کیا گیا تھا، جس کا موضوع تھا کہ 'اسلام متبادل دشمن: صحیح نشانہ اور مختلف انداز)، انہوں نے اس میں لکھا ہے کہ ڈیک تشینی نائب صدر امریکہ نے میونخ، جرمنی میں منعقد ۱۹۹۱ء کی کانفرنس میں پہلی مرتبہ اعلان کیا تھا، جس وقت وہ امریکہ کا وزیر دفاع تھا، کہ بین الاقوامی سطح پر امن کے قیام کی ضرورت ہے، اس نے اس بات کا اظہار کیا تھا کہ متبادل دشمن اسلام ہے، اس کے بعد 'فی نہایۃ التاریخ' کے مصنف نے بھی یہی بات لکھی تھی، تہذیبوں کے تصادم کے مصنف سموئیل ہینٹنگٹن نے بھی یہی بات لکھی، ان میں سے کوئی بات پردہ خفا میں نہیں رہ گئی ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان ان لوگوں کی شناخت کرلیں جن سے اللہ تعالی نے ہمیشہ اور ہر نماز میں یعنی دن میں کم ازکم سترہ مرتبہ اعلان براءت اور اظہار دشمنی کا حکم دیا ہے، جب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تیرا انعام ہوا ہے، نہ کہ ان لوگوں کی جو تیرے غضب کا شکار اور گمراہ ہوئے ہیں (سورہ الفاتحہ)۔ حاصل کلام یہ ہے کہ خواہ ہم کچھ بھی کوشش کرڈالیں، کتنا ہی کسی کی کردارکشی کرڈالیں، اس کے اندر موجود دشمنی کی آگ نہیں بجھا سکتے۔ اگر اس کا رخ اس کے حقیقی دشمن کی جانب نہیں کیا گیا تو وہ اپنے گھر سے، اپنے خاندان سے، اپنے معاشرے اور وطن سے دشمن ڈھونڈ نکالے گا، اسی بات کو ایک عرب شاعر نے کہا ہے:

واحیانا علی بکر اخینا　　اذا ما لم نجد الا اخانا

(جب ہم اپنے بھائی بکر کے سوا کسی کو سامنے نہیں دیکھتے تو اسی کے ساتھ آمادہ پیکار ہوجاتے ہیں۔)

مطلب یہ ہوا کہ ہم کو ایک دشمن کی ضرورت ہے، جس سے ہم نبرد آزما ہوں، اگر وہ دشمن نہیں ملا تو پھر ہم اپنے بھائی بندوں سے ہی برسرپیکار ہوجائیں گے، عرب کی ایک دیہاتی مثل ہے: میں اپنے بھائی کا مخالف ہوں، میں اور میرا بھائی دونوں چچازاد بھائی کے مخالف ہیں، اور میں، میرا بھائی اور میرا

چچازاد بھائی ایک اجنبی شخص کے مخالف ہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ ایک نوجوان، خاص طور سے جب وہ دین دار نہ ہو اور شادی کرنے کے لیے بے قراری کا اظہار کرے، تو اس کو عفت اور عصمت کی تعلیم دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، دن رات کے فتنوں کے درمیان، اس کو جب بھی موقع ملے گا وہ معاشرے کے اندر کسی نہ کسی کا ہاتھ پکڑ ہی لے گا، تاکہ اپنے شہوانی جذبات کو تسکین دے سکے، یہی حال غصہ اور غضب کا ہے، انسان کے اندر وہ تھپیڑے مارتا رہتا ہے، اب ایک صورت یہ ہے کہ اللہ تعالی کے حکم کے مطابق اس کو ایک رخ دے دیا جائے، یا پھر اس کو چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ دشمن یہود، منافقین اور سرکش شیطانوں کے اشارے پر تباہی مچاتا پھرے۔ (میری کتاب 'الامن الاجتماعی' کی آخری فصل میں اس نکتہ کے اوپر تفصیلی گفتگو موجود ہے)

اگر ان اصولوں کو مان لیں جن سے اس بات کی تاکید ہوتی ہے کہ امت کے کچھ دائمی دشمن ہیں، اور پھر سورہ الحشر کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ سورہ کے اندر بالترتیب تین دشمنوں کا ذکر آیا ہے:

۱۔ یہود

۲۔ منافقین

۳۔ شیطان

سورہ الحشر اور دیگر قرآنی سورتوں میں واضح طور سے کہا گیا کہ ان کی دشمنی اللہ، اس کے رسول، اس پر ایمان لانے والوں اور پھر تمام انسانیت کے ساتھ ہے!

میں بطور خاص سورہ الحشر اور اس کے علاوہ قرآن کے دیگر مقامات سے کچھ دلائل پیش کروں گا، جن سے ان تینوں کی دشمنی واضح ہو کر سامنے آتی ہے:

دشمن نمبر (۱): یہودی

سورہ الحشر میں بطور خاص یہودیوں کے کفر پر کافی زور دیا گیا ہے، اللہ تعالی نے دو مرتبہ اس سورہ

کے اندر یہود کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں بنیادی بات ان کے کفر کی وضاحت ہے، فرمان الٰہی ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنتُمْ أَن يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ. (الحشر: ۲) (وہی تو ہے جس نے کفار اہلِ کتاب کو حشرِ اوّل کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے مگر اللہ نے ان کو وہاں سے آلیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے (بصیرت کی) آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو۔)

۲۔ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَداً أَبَداً وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ. (الحشر: ۱۱) (کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے جو اہلِ کتاب ہیں کہا کرتے ہیں کہ اگر تم جلاوطن کئے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے مگر اللہ ظاہر کئے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔)

اس سورہ میں یہود کے بارے میں پہلی بات یہ کہی گئی کہ وہ اہل کتاب ہوتے ہوئے رب کی ناشکری کرتے ہیں، پھر سورہ کے درمیانی حصہ میں اس بات کو زور دے کر کہا گیا کہ وہ اہل کتاب ہونے سے پہلے کفار ہیں، اس سے ہر اس شخص کے دل پر گہرے اثرات پڑتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی رضامندی اور ناراضگی سب اللہ رب العزت کے لیے ہوتی ہے:

۱۔ سورہ الحشر کی چوتھی آیت میں کہا گیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں:

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَن يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ.

(الحشر: ۴) (یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔)

۲۔ سورہ البقرۃ میں یہودیوں کے بارے میں گفتگو کے دوران کہا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالی سے اوراس کے رسولوں اور فرشتوں سے عداوت رکھتے ہیں:

مَن كَانَ عَدُوّاً لِّلّهِ وَمَلآئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ. (البقرہ:۹۸) (جو شخص اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کے پیغمبروں کا اور جبریل کا اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ تعالیٰ دشمن ہے۔)

اگر ہم تفصیل میں جا کر دیکھیں کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کی بنا پر ان کو سورہ میں دو مرتبہ کافر اور اللہ اور اس کے رسول کا مخالف کہا گیا ہے، تو درج ذیل اسباب کا پتہ چلتا ہے:

اول: اللہ تعالی کے سلسلہ میں اعتقادی انحطاط:

ہمیں یہود کے مقابلے میں ایسی کوئی قوم نظر نہیں آتی ہے جو اللہ تعالی کے سلسلہ میں اس قدر اعتقادی انحراف کا شکار ہو، ذیل میں اس کے چند دلائل پیش ہیں:

۱۔ فرمان الہی ہے: وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُواْ بِمَا قَالُواْ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيراً مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَاناً وَكُفْراً وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا أَوْقَدُواْ نَاراً لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الأَرْضِ فَسَاداً وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ.
(المائدہ: ۶۴) (اور یہود کہتے ہیں کہ اللہ کا ہاتھ (گردن سے) بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے) انہیں کے ہاتھ باندھے جائیں اور ایسا کہنے کے سبب ان پر لعنت ہو (اس کا ہاتھ بندھا ہوا نہیں) بلکہ اُس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جس طرح (اور جتنا) چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور (اے محمد ﷺ!) یہ (کتاب) جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوئی اس سے اُن میں سے اکثر کی شرارت اور انکار

اور بڑھے گا۔ اور ہم نے اُن میں عداوت اور بغض قیامت تک کیلئے ڈال دیا ہے یہ جب لڑائی کیلئے آگ جلاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس کو بجھا دیتا ہے اور یہ ملک میں فساد کیلئے دوڑے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔)

۲۔ فرمان الٰہی ہے: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ. (آل عمران: ۱۸۱) (اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم امیر ہیں۔)

۳۔ 'موسوعۃ الیہود والصہیونیۃ' کے مصنف ڈاکٹر عبدالوہاب المسیریؒ نے لکھا ہے کہ یہود کا عقیدہ ہے کہ اللہ رب العزت ان کے اندر سرایت کر گیا ہے، اور وہ اللہ رب العزت کے اندر سرایت کر گئے ہیں، اس طرح وہ آپس میں ایک دوسرے کے اندر سرایت کر گئے، حالانکہ وہ ذات برتر ان تمام باتوں سے پاک ہے۔ یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ اس ذات برتر کا کھانا، پینا، تھکنا، آرام فرمانا، ہنسنا، رونا، خون کی پیاس میں غضبناک ہونا، محبت اور نفرت کرنا، مختلف رنگ اختیار کرنا یہ تمام چیزیں حقیقت ہیں، جو بھی کسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، خواہ قصداً اس سے اس گناہ کا ارتکاب ہو یا سہواً، وہ اس پر عذاب نازل کرتا ہے، آباء کے گناہ کا بدلہ وہ بچوں اور بچوں کے بچوں سے لیتا ہے، بلکہ اس کو ندامت اور ضمیر کی ملامت کا بھی سامنا کرنا ہوتا ہے (سفر الخروج: ۳۲/۱۰ تا ۱۴)، بھولتا بھی ہے اور یاد بھی کرتا ہے (سفر الخروج: ۲/۲۳ تا ۲۴)، ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز سے واقفیت رکھتا ہو، وہ اسرائیلی قوم سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کی رہنمائی کریں، اس طرح سے کہ اپنے گھروں کے دروازے سرخ خون سے رنگ دیں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ اللہ ان کے مصری دشمنوں کے ساتھ ان کو بھی غلطی سے ہلاک کر ڈالے (سفر الخروج: ۱۲/۱۳ تا ۱۴)، وہ گوشہ نشین خدا ہے، تاہم ساتھ ہی ساتھ وہ مختلف حسی روپ بھی دھارتا رہتا ہے، اس کا یہود سے مطالبہ ہے کہ وہ اس کے لیے ایک مقدس گھر کی تعمیر کریں تاکہ وہ اس میں رہ سکے (سفر الخروج: ۲۵/۸)، اسی طرح وہ اسرائیلی قوم کے آگے آگے دن میں ایک دھوئیں کے ستون کی طرح چلتا ہے تاکہ ان کو صحیح راستے کی جانب رہنمائی کرے، اسی طرح وہ روشنی کا ستون بن جاتا ہے تاکہ ان کے لیے روشنی کرے (سفر الخروج: ۱۳/۲۱/۲۲)، وہ جنگوں کا خدا ہے (سفر الخروج: ۱۵/۳ تا ۴)،

اس نے داؤد کو جنگ کی تعلیم دی (سفر صموئیل ثانی: ۲۲/۳۰ تا ۳۵)، یہود کے لیے اس کا حکم ہے کہ لڑکوں کا قتل کریں، بلکہ عورتوں اور بچوں کا بھی قتل کریں، (سفر صموئیل ثانی: ۲۲/۳۰ تا ۳۵)، وہ بہت ہی تونگر خدا ہے اس نے اپنی قوم کو اس بات کا حکم دیا ہے کہ کسی پر رحم نہ کھائیں (سفر التثنیہ: ۷/۱۶ تا ۱۸)، وہ اس بات سے واقف ہے کہ زمین تلوار کے زور پر ہی حاصل کی جاسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ انہیں ارض موعود سے دور دور کے شہروں میں تمام مردوں کو قتل کردینے کا حکم دیتا ہے۔ اس خدا کے اندر بشری صفات بھی پائی جاتی ہیں، اسی لیے وہ یہودی قوم اور یہودی لڑکی کے ساتھ عشق بازی کرتا ہے، صہیونی لڑکی کے ساتھ اس کے جذباتی تعلقات ہیں جن سے جنسی اشارات ملتے ہیں، پھر معاملہ حلول کے عقیدہ کا ہے جو اپنے عروج پر پہنچ جاتا ہے، اور شرک اپنی بلندی کو چھونے لگتا ہے، ایک یہودی اللہ کے ساتھ تخلیق کے عمل میں بھی شریک بن بیٹھتا ہے، اور اللہ کا انسان پر (نعوذ باللہ) اعتماد بڑھنے لگتا ہے، المدراش الحاخامی لکھتے ہیں: جب تم لوگ میرے سامنے موجود ہوتے ہو تو گویا میں اللہ ہوتا ہوں اور جب تم میرے سامنے نہیں ہوتے ہو تو گویا میں اللہ نہیں ہوتا، اسی طرح حاخامات ہی میں سے ایک لکھتا ہے: جب یہودی اللہ کے ارادوں کی تنفیذ کرتے ہیں، تو گویا وہ اس کی عظمت میں اضافہ کرتے ہیں اور جب اس کے ارادوں کی تنفیذ نہیں کر پاتے تو گویا وہ اس کی عظمت اور قوت میں کمی لاتے ہیں۔ اسی طرح یہودی فلسفی 'مارٹن بوبر' نے اللہ کے سلسلہ میں حلولی نظریہ کی بنیاد ڈالی، اس نے قوم اور الہ کے تعلق سے ایک مذاکرہ کے دوران کہا کہ دونوں مساوی ہیں۔ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ ایک اصلاح پسند حاخام 'ایوجین بوروفیتز' ۱۹۶۷ء کی جنگ کے متعلق کہتا ہے کہ اس سے محض اسرائیلی حکومت کو خطرہ نہیں ہے، بلکہ اس سے خود اللہ کو خطرہ ہے، کیونکہ اللہ، قوم یہود اور یہ سرزمین تینوں مل کر ایک جوہر بنتے ہیں۔ (ڈاکٹر المسیری کی کتاب 'موسوعۃ الیہود والیہودیہ والصہیونیہ' جلد ۵، الیہودیہ۔ المفاہیم والفرق، الجزء الثانی: المفاہیم والعقائد الاساسیہ فی الیہودیہ) یہود کے اس درجہ نازیبا اور گستاخانہ اعتقاد پر انسان یہی کر سکتا ہے کہ اللہ کے لیے ان سے دشمنی کرے اور اپنے غیض وغضب کا مظاہرہ کرے، اور اپنے صاف اور پاکیزہ عقیدہ کو عام کرنے کی کوشش کرے کہ 'لیس کمثلہ شئی وھو السمیع

البصير ‘ (الشوریٰ:۱۱)، اسی طرح ’قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَد. اَللّٰهُ الصَّمَد. لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَد. وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُواً أَحَدٌ ‘ (الاخلاص: ۱ تا ۴).

۴۔ ڈاکٹر عبدالستار فتح اللہ سعید کی معروف کتاب ’معرکۃ الوجود بین القرآن والتلمود‘ میں ایک موضوع ہے ’فی اعتقاد الیهود فی الله‘، اس میں لکھتے ہیں:

انہوں نے لکھا ہے کہ تلمود وہ واحد کتاب ہے جو یہود کی تعلیمات اوران کے معارف کو تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے، اس کے لیے دیکھیں کتاب ’فضح التلمود‘ ص:۲۱، کہتے ہیں کہ تلمود کی اصل لامود ہے، اس کے معنی تعلیمات کے ہیں، مطلب یہ کہ یہ یہودیوں کے آداب اور شرائع کی کتاب ہے، اس سلسلہ میں ایک کتاب اور ہے ’همجية التعاليم الصهيونية‘ ص:۲۱، کہا جاتا ہے کہ تلمود پہلی مرتبہ آرامیہ زبان میں اگیارہ جلدوں میں شائع ہوئی تھی، بندقیہ نامی شہر سے (۱۵۲۰۔۱۵۲۳)۔

تلمود کی ان گمراہیوں میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ حاخامیوں کی تعلیمات کو نہ تو رد کیا جاسکتا ہے اور نہ اس میں کوئی تبدیلی کی جاسکتی ہے خواہ اللہ کی جانب سے اس سلسلہ میں کوئی بھی حکم آجائے۔

۲۔ حاخامی اللہ کے اوپر حکومت کرتے ہیں، اور اللہ کو وہی سب کرنا ہوتا ہے جو یہ چاہتے ہیں۔ (الکنز المرصود فی قواعد التلمود: ص:۴۷، الیهودیة والصهیونیة: ص:۱۱۰)

۳۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور جو یہ بکواس کرتے ہیں اُس سے (اس کا رتبہ) بہت بلند ہے (سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوّاً كَبِيْرا۔ (الاسراء:٤٣))، تاہم یہ کہتے ہیں کہ دن میں تین گھنٹے اللہ تعالیٰ لافیاتین کے ساتھ کھیلتا ہے جو کہ مچھلیوں کا بادشاہ ہے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان کے عقیدے کے مطابق ہیکل یوروشلم کی تباہی کے بعد سے اللہ نے یہ کھیل چھوڑ دیا ہے۔

۴۔ اس وقت سے اللہ کے اندر اتنی قوت نہیں باقی بچی کہ وہ کھیل سکے یا پھر رقص کر سکے، اس نے پہلا رقص حوا کے ساتھ کیا تھا جبکہ اس کو بنایا، سنوارا اور اپنے ہاتھ سے اس کی کنگھی کی تھی۔

۵۔ ہیکل کی تباہی کے بعد سے وہ مستقل آہ وبکا میں مصروف ہے، رات کے تین چوتھائی

وقت میں وہ سمٹا پڑا رہتا ہے، دنیا کی جانب جھکا ہوا دہاڑیں مارتا رہتا ہے، پھر چیخ کر کہتا ہے، میرے لیے تباہی ہے کہ میں نے اپنا گھر چھوڑ دیا کہ اس کو لوٹا جاتا رہا، میرا ہیکل جلا دیا گیا، اور میری اولاد ادھر ادھر بکھر کر رہ گئی۔ (همجية التعاليم الصهيونية، الفصل الثاني: فساد العقائد التلمودية، بعض تصرف کے ساتھ، کتاب قابل اعتماد علمی مرجع ہے، اس کی طرف مراجعہ کریں: الكنز المرصود: ص:۴۹)

ہم ان سب اعتقادی بگاڑ اور انحراف کے سامنے صرف اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ توحید کی آواز بلند کریں۔ 'اے میرے رب میں نے صبح کی اس حالت میں کہ تجھے گواہ بناتا ہوں، تیرے عرش کے حاملین کو گواہ بناتا ہوں اور تیرے فرشتوں نیز تمام ہی مخلوقات کو گواہ بناتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں' (الاذکار للنووی: رقم: ۱۱۰، اس کی سند صحیح ہے۔)

اس اعتقادی میدان میں ہم ان لوگوں کے خلاف ایک معرکہ کا آغاز کر سکتے ہیں، جو اللہ، اس کے رسولوں، اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کے دشمن ہیں، بلکہ تمام انسانیت اور خود اپنے بھی دشمن ہیں، وہ اپنے کرتوتوں کے سبب لعنت زدہ ہیں، ان کے اوپر اللہ کا غضب اور لعنت ہے، فرشتوں اور تمام انسانوں کی جانب سے لعنت ہے، وہ اپنے ہاتھوں سے بھی اپنے گھروں کو تباہ کرتے ہیں اور مومنین کے ہاتھوں سے بھی۔ اس معرکہ کا انجام بھی معلوم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اس معرکہ کی تدبیر کرنے والا اور اس معرکہ کو سر کرنے والا ہے، بادلوں کو اڑانے والا اور فیصلہ سنانے والا ہے، تمام احزاب اور پارٹیوں کو زیر کر دینے والا ہے، وہ ان کے محلات کو ہلا ڈالے گا، ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا، وہ اقتدار اور قوت کا مالک، بہترین مددگار اور کارساز ہے۔

دوم: فرشتوں کے سلسلہ میں اعتقادی انحطاط:

یہود کا عقیدہ اللہ کے ساتھ کفر کے بعد فرشتوں کے سلسلہ میں اعتقادی انحطاط کا شکار ہوتا ہے، کیونکہ ان کی تحریفات کے سامنے وہی ہیں جو صحیح اور صریح وحی لے کر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہود فرشتوں سے سخت دشمنی رکھتے ہیں، ذیل میں اس کے دلائل پیش کیے جا رہے ہیں:

☆ فرمان الٰہی ہے: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلَّهِ وَمَلَآئِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِّلْكَافِرِينَ۔ (البقرہ:۹۷ تا ۹۸) (کہہ دو کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مر جانا چاہیے) اس نے تو (یہ کتاب) اللہ کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے۔ جو شخص اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کے پیغمبروں کا اور جبریل کا اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ تعالیٰ دشمن ہے۔)

☆ ان کی تحریف کردہ تلمود میں آیا ہے کہ: ایک یہودی شخص اللہ کو فرشتوں سے بھی محبوب ہوتا ہے، اور جو کوئی بھی ایک یہودی کو تھپڑ مارے گا، گویا اس نے اللہ رب العزت پر ہاتھ اٹھایا۔ (همجية التعاليم: ص:۶۲)

سوم: انبیاء کے سلسلہ میں اعتقادی انحطاط:

میرا خیال ہے کہ یہود انبیاء کرام کے سلسلہ میں جس اعتقادی انحطاط اور جس سطحیت پر اتر آئے ہیں، ان کے مثل کوئی ایک امت بھی نہیں ملے گی، ذیل میں قرآن کریم سے کچھ دلائل پیش کیے جائیں گے، اس کے بعد تحریف شدہ توریت اور تلمود سے کچھ بیانات نقل کیے جائیں گے، جن سے ان کے اعتقادات کا پتہ چل سکے:

۱۔ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ۔ (البقرہ:۸۷) (تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آیا جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہِ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔)

۲۔ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ

فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ۔ (الصف:۵) (اور وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں تو جب ان لوگوں نے کجروی کی اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔)

۳۔ تلمود لعین میں آیا ہے: آدم نے ایک شیطان عورت سے ۱۳۰ر سال تک تعلقات رکھے، اس سے متعدد شیاطین جنم دیئے، اور حوا کی بھی یہی حالت تھی، اس نے اس پوری مدت میں صرف شیاطین ہی پیدا کیے کیونکہ اس کا تعلق ایک شیطان سے تھا، تلمود کے مطابق شیاطین کے درمیان بھی کھانے پینے اور تناسل نیز موت کا یہی انداز ہے جو انسانوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ (الکنز المرصود فی قواعد التلمود، ترجمہ: ڈاکٹر یوسف حنا نصر اللہ، الکتاب الثانی: فساد الدین، الفصل الثالث: تاریخ الشیاطین)

۴۔ اسی تلمود میں آگے بیان ہوا ہے کہ لوط کی دونوں بیٹیوں نے کہا: زمین میں اب مرد نہیں بچے کہ جن کے ساتھ ہم رات گزاریں، آؤ اپنے باپ کو شراب پلا دیں اور پھر ان کے ساتھ رات گزاریں، پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔ (الاصحاح التاسع عشر (سفر التکوین)

۵۔ تلمود میں آیا ہے: یسوع ناصری جہنم میں موجود ہے۔۔۔ نصرانی کنیسے وہاں گندگی اور کوڑا کرکٹ بنے ہوئے ہیں، ان کے پادری وہاں کتوں کا روپ دھارے ہوئے ہیں، مسیح کو قتل کرنا تو ہمارے لیے رب کا حکم تھا۔۔۔ اور یہ تو دینی فریضہ ہے کہ ایک یہودی دن میں تین مرتبہ نصرانی مذہب کے رہنماؤں پر لعنت بھیجے۔ (کتاب الکنز المرصود: ص: ۲۱ تا ۲۲، عبارتوں کی تصحیح کے پیش نظر معمولی تصرفات بھی کیے گئے ہیں۔)

۶۔ تلمود، اللہ کی لعنت ہو اس پر، اس میں لکھا ہے کہ یسوع ناصری ناجائز اولاد تھے، اس کی ماں کے یہاں اس کا حمل حیض کی حالت میں باندار کے ساتھ زنا کے نتیجہ میں ٹھہرا تھا، وہ شخص عسکری، جھوٹا، پاگل، بت پرست، مداری، جادوگر اور دیوانہ تھا، اس کی موت جانوروں کی سی موت تھی، اور اسے ایک اونچے ڈھیر پر دفن کر دیا گیا۔ (کتاب نهاية اليهود: ابوالفدا محمد عارف)

۷۔ آگے اسی کتاب میں بتایا جائے گا کہ موسیٰ کے علاوہ کسی نبی کے لیے غضبان کا لفظ استعمال نہیں ہوا ہے، یہود کی بدکرداری، بداعتقادی اور مسخ فطرت کے سبب قرآن نے دومرتبہ موسیٰ کے لیے اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔

چہارم: دوسروں پر نسلی امتیاز کا عقیدہ:

یہود کے اندر کچھ ایسی خصلتیں پیدا ہوگئیں، جن کے سبب ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا، اگر ان خصلتوں کا کچھ بھی شائبہ کسی کے اندر پایا گیا تو اس کا ٹھکانہ بھی جہنم کی کھائیاں ہیں، ان کے اندر کبر اور گھمنڈ کی خصلت پیدا ہوگئی تھی، حضرت ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ: 'اللہ رب العزت کا فرمان ہے: کبریائی میری چادر ہے، اور عزت واقتدار میرا لباس ہے، جوکوئی اس میں سے کچھ لینا چاہے گا، میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا (مسند احمد، باقی مسند المکثرین، مسند ابی ہریرہؓ، رقم: ۷۰۷۸، السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی۔ رقم: ۵۴۱، اس کی سند اور اس کے رجال ثقہ اور صحیح ہیں۔)، مسلم کی روایت ہے عبداللہ بن مسعودؓ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوسکے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی گھمنڈ پایا جاتا ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب: تحریم الکبر وبیانہ۔ رقم: ۱۳۱)

ذیل میں ان کے کبر وغرور کی انتہا سے متعلق کچھ باتیں بیان کی جارہی ہیں کہ وہ کس درجہ سرکشی میں مبتلا تھے، ان کے دل گھمنڈ کا شکار تھے اور ان کے کردار سے غرور واضح ہورہا تھا:

۱۔ فرمان الٰہی ہے: وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ۔ (المائدہ: ۱۸) (اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہو کہ پھر وہ تمہاری بداعمالیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ (نہیں) بلکہ تم اُس کی مخلوقات میں (دوسروں کی طرح کے) انسان ہو وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے

اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔)

۲۔فرمان الٰہی ہے: وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ۔ (البقرہ:۱۱۱) (اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے خیالاتِ باطلہ ہیں۔)

۳۔فرمان الٰہی ہے: ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ۔ (آل عمران:۷۵) (یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں کے بارے میں ہم سے مواخذہ نہیں ہوگا۔)

۴۔محرف توریت میں کہا گیا ہے کہ اسرائیل نے اپنے رب سے دریافت کیا: آپ نے اپنی پسندیدہ قوم کے علاوہ دوسروں کی تخلیق کیوں کی؟!، رب نے کہا: تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر سوار رہا کرو، ان کے خون چوسا کرو، ان کی کھیتیاں جلا کر راکھ کردو، ان کی پاکیزگی کو ملیامیٹ کردو، اور ان کے گھروں کو مسمار کردو۔ (سفر المکابیین الثانی: ۱۵تا۳۴)

۵۔محرف توریت میں آیا ہے: اس کی پسندیدہ قوم ہی حیات ابدی کی مستحق ہے، باقی قومیں گدھوں کی مانند ہیں۔ (المرجع السابق: ص:۶۴)

۶۔ان کی تحریف یہ بھی ہے: اگر یہودی کسی اجنبی عورت پر دست درازی کرتا ہے تو وہ خطا کار نہیں ہوگا، کیونکہ یہودی عورتوں کے سوا سب جانور ہیں اور جانوروں کے ساتھ معاہدہ نہیں ہوتا ہے۔ (الکنز المرصود فی قواعد التلمود، تالیف: روہلنج الفرنسی، والمورخ الفرنسی اشیل اوران، الکتاب الثالث، الفصل السابع 'المرأۃ')

۷۔تلمود ہی میں آیا ہے: جب غیر یہودی لڑکی تین سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کو غصب کرنا جائز ہے، (نعوذ باللہ) اللہ نے یہود کو تمام قوموں کے خون اور مال ودولت پر تسلط اور تصرف کا اختیار دے رکھا ہے۔ (المرجع السابق)

۸۔تلمود کا بدترین بیان ہے: جس نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ جماع کررہا ہے تو اس کو حکمت مل گئی، اور جس نے دیکھا کہ وہ اپنی بہن کے ساتھ جماع کررہا ہے تو اس کو عقل کا نور

مل گیا۔(المرجع السابق)

۹۔اگر کوئی بت پرست گڈھے میں گر جائے تو تمہارے لیے لازم ہے کہ اس کو پتھروں سے پاٹ ڈالو۔(المرجع السابق،الفصل السادس:حیاۃ الاجانب واشخاصھم)

۱۰۔اسی طرح اس میں آیا ہے:جس نے کسی مسیحی یا اجنبی یا بت پرست کو قتل کردیا،اس کو جنت میں ہمیشگی کی زندگی ملے گی،اور وہاں چوتھے محل میں بیٹھنے کا موقع ملے گا،البتہ جس نے ایک یہودی کو قتل کیا تو گویا اس نے پورے عالم کو قتل کردیا۔(السابق)

یہ بنی اسرائیل کے ماضی اور حال کی روشنی میں ان کی کچھ بدترین خصلتوں اور عقائد کا ذکر تھا، آج بھی ان کے اندر یہ خصلتیں پائی جاتی ہیں،یہی وجہ ہے کہ قرآن کی تقریباً پچاس سورتوں میں یہود کی رسوائیوں کا ذکر آیا ہے،اور اللہ تعالی نے ہم پر فرض کیا ہے کہ دن میں کم از کم سترہ مرتبہ ان کے سلسلہ میں اس بات کو یاد کریں کہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا ہے،اور جو کوئی فرض کے ساتھ نوافل کا اہتمام کرتا ہے وہ کئی گنا مرتبہ اس بات کو دہراتا ہے۔یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ یہود میں سے بالخصوص صہیونی اپنی بداعتقادی اور بداعمالیوں کے سبب دنیا کی سب سے زیادہ لعنت زدہ قوم ہیں،چنانچہ ان پر سخت غضب کرنے اور ان سے کھلی دشمنی رکھنے کی ضرورت ہے،ان کے ساتھ کسی طرح کی بات چیت اور صلح مصالحت جائز نہیں۔

سورہ الحشر کے اندر یہود کی صفات:

اوپر جو نصوص پیش کیے گئے،ان سے یہودیوں کے بارے میں کچھ باتیں معلوم ہوتی ہیں، ان کے بارے میں دو مرتبہ کہا گیا کہ ان کے اندر کفر پایا جاتا ہے،اس کے علاوہ جو باتیں کہی گئیں،سورہ الحشر سے ان کی بھی تاکید ہوتی ہے،ذیل میں بعض نکات پیش ہیں:

۱۔وہ اپنی طاقت کے نشے میں مبتلا ہیں،ان کا گمان ہے کہ ان کے مضبوط قلعے ان کو صرف انسانوں ہی سے نہیں بلکہ انسانوں کے رب سے بھی محفوظ رکھیں گے،اس کے باوجود ان کے دل میں

ہمیشہ رعب بیٹھا رہتا ہے، وہ عجیب عجیب حماقت کے کام کیا کرتے ہیں کہ جس سے وہ اپنے مکانات خود اپنے ہاتھوں سے بھی تباہ کرتے ہیں اور مومنین کے ہاتھوں سے بھی۔ (سورہ الحشر:۲)

۲۔ وہ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ (الحشر:۴)

۳۔ معرکہ جب درپیش ہوتا تو بھاگ کھڑے ہوتے اور اپنے پیچھے اپنے مال وجائداد کو مسلمانوں سے لڑے بغیر مال غنیمت کے طور پر چھوڑ جاتے ہیں۔ (الحشر:۶ تا ۷)

۴۔ منافقین اور خائن قسم کے ضعیف عقیدے کے لوگوں کو وہ پیچیدہ قسم کے وسائل کے طور پر استعمال کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ان کے ساتھ عہد و پیمان باندھتے ہیں کہ وقت آنے پر ان کی مدد کریں گے، ان کا جو انجام ہوگا وہی ان کا بھی ہوگا، ان کی مکمل اطاعت اور محبت ان کے ساتھ رہے گی۔ (الحشر:۱۰،۱۲)

۵۔ ان یہودیوں کی بزدلی کا حال یہ ہے کہ میدان میں نکل کر نہیں لڑ سکتے، قلعہ بند ہو کر لڑیں گے یا دیوار کے پیچھے سے وار کریں گے، اور ان کے درمیان کافی شدید اختلافات پائے جاتے ہیں، ان کے جھگڑے کافی سخت ہیں، کوشش کرتے ہیں کہ خوب اچھے دکھائی دیں تاکہ معلوم ہو کہ متحد اور یکجا ہیں جب کہ ان کے دل پھٹے پڑے ہیں، ایک ایسی قوم ہیں جس کو پوری تصویر سمجھ میں نہیں آتی اور نہ ہی خدائے باری تعالی کی طاقت وقوت سے وہ ڈرتے ہیں۔ وہ علمی میدان میں کتنا ہی بلندی پر پہنچ جائیں تاہم ان کے اندر کچھ بھی سوجھ بوجھ نہیں ہے۔ (الحشر:۱۴)

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہود کے اوپر کیسا دوہرا غضب نازل ہوتا ہے، ذیل میں قرآن میں وارد لفظ 'غضب' کے بارے میں کچھ باتیں بیان کی جائیں گی کہ کیسے اس لفظ کا بیشتر استعمال یہود کے سیاق میں ہوا ہے، حقیقت میں یہی اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں اور اس میں ان کے برابر کوئی نہیں۔

یہود پر غضب الٰہی ان کے کفر اور عناد کے سبب ہے:

قرآن مجید میں جہاں جہاں غضب کا لفظ آیا ہے، اس پر غور وفکر کرنے سے ذیل کے چند

امور سمجھ میں آتے ہیں:

ا۔ اللہ تعالی چاہتا ہے کہ ہم کسی بھی لحہ اس بات کو ذہن سے نہ نکلنے دیں کہ یہود پر اللہ تعالی کا غضب نازل ہوتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالی نے دن میں سترہ مرتبہ اس کو دہرانا فرض قرار دیا ہے کہ ہم ہر نماز میں اللہ رب العزت سے اس بات کی دعا کریں کہ:

اهـدِنَـــا الصِّرَاطَ المُستَقِيم۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعمتَ عَلَيهِمْ غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِمْ وَلَا الضَّالِّين۔ (الفاتحه: ٦،٧) (ہم کو سیدھے رستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو اپنا فضل اور کرم کرتا رہا ہے۔ نہ ان کے جن پر غصے ہوتا رہا ہے اور نہ گمراہوں کے۔)

۲۔ یہود کے اوپر ان کے متعدد دوہرے اور خطرناک جرائم کے نتیجے میں اللہ تعالی کا دوہرا غضب ہے، سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالی ہے:

فَبَآؤُوا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ۔ (البقرہ: ٩٠) (تو وہ (اس کے) غضب بالائے غضب میں مبتلا ہو گئے۔)، اس دوہرے غضب کا ذکر پورے قرآن میں یہود کے علاوہ کسی کے سلسلہ میں نہیں ملتا ہے۔

۳۔ غضب کا مادہ قرآن مجید میں ۲۴ر مرتبہ آیا ہے، ان میں اکثر کا تعلق صرف یہود سے ہے، اور باقی کا ذکر ان کے مثل سرکش لوگوں کے سلسلہ میں ہے، کیا تاریخ میں یہود کے علاوہ کوئی قوم ایسی ملتی ہے، جن کے بارے میں ایک ساتھ آیا ہو کہ اللہ کی ان پر لعنت ہے، اس کا غضب ہے، اس نے ان کو مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا، ان کے بارے میں بتایا کہ وہ بدترین اور گمراہ لوگ ہیں۔ غضب سے متعلق نصوص کی اس طور پر تحلیل کی جا سکتی ہے کہ:

(الف) کم از کم دس مقامات ایسے ہیں، جو قطعی الدلالت ہیں اس بات پر کہ اس غضب کا نشانہ یہود ہیں، اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے اوپر غضب نازل فرمایا ہے، مثال کے طور پر: سورہ بقرہ کی آیت ٦١ر اور ٩٠ر ہے، آل عمران کی آیت ۱۱۲ر ہے، الاعراف کی آیت ۱۵۲ر اور ۱۵۴ر ہے، سورہ مائدہ کی آیت ٦٠ر ہے۔ قرآن مجید میں غضب کا لفظ اللہ تعالی کی طرف اضافت کے ساتھ بنی اسرائیل کے

علاوہ کسی کے لیے بھی نہیں آیا ہے، سورہ طٰہٰ میں ہے: كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَى۔ (طه: ۸۱) ((اور حکم دیا کہ) جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں اُن کو کھاؤ اور اس میں حد سے نہ نکلنا ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک ہوگیا۔)

(ب) غضبان کا لفظ حضرت موسیٰؑ کے علاوہ کسی نبی کے سلسلہ میں نہیں آیا ہے، انہوں نے صرف رب کو ہی غضبناک نہیں کیا بلکہ اللہ کے نبی حضرت موسیٰؑ کو بھی انہوں نے غضبناک کر ڈالا، فرمان الٰہی ہے: وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفاً قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ۔ (الاعراف: ۱۵۰) (اور جب موسیٰ اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے تو کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد بہت ہی بد اطواری کی کیا تم نے اپنے رب کا حکم (یعنی میرا اپنے پاس آنا) جلد چاہا۔)، اسی طرح فرمان الٰہی ہے: فَرَجَعَ مُوسَى إِلَى قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفاً قَالَ يَا قَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْداً حَسَناً أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدتُّمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي۔ (طه: ۸۶) (اور موسیٰ غصے اور غم کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے (اور) کہنے لگے کہ اے قوم! کیا تمہارے رب نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا (میری جدائی کی) مدت تمہیں دراز (معلوم) ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے غضب نازل ہو اور (اس لئے) تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا (اس کے) خلاف کیا۔)

(ت) رہا قرآن میں مذکور عام غضب تو یہ بھی سب سے پہلے بنی اسرائیل کو ہی لاحق ہوگا: وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا وَغَضِبَ اللّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيماً۔ (النساء: ۹۳) (اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کیلئے اُس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔)

(ث) اللہ کے غضب کو لازم کر دینے والا قتل کسی امت کے سلسلہ میں بیان نہیں ہوا ہے

جب کہ اس کا ذکر چالیس (۴۰) سے زائد مرتبہ یہود کے سلسلہ میں آیا ہے، فرمان الٰہی ہے: أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ۔ (البقرہ:۸۷) (تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آیا جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہِ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔)

لفظ 'کلما' سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بار بار اور قسم قسم کا حربہ استعمال کیا ہے، حضرت یحییٰؑ کو انہوں نے ذبح کر ڈالا، حضرت زکریاؑ کو آرے سے چیر ڈالا، اور ایک مکمل جرم کے طور پر عیسیٰؑ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے، تاہم: وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَـٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ۔ (النساء:۱۵۷) (اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو اُن کی سی صورت معلوم ہوئی۔)، اس طرح انہوں نے عیسیٰؑ کی جگہ انہی کے مثل کسی آدمی کو قتل کر دیا، اس طرح سے یہ ایک مکمل اور دوہرا جرم بن گیا۔

(ج) غضب کی دوسری انواع کا ذکر ان لوگوں سے متعلق ہے جو عہد شکنی کرتے ہیں، اور میدان معرکہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، یہ سب بھی یہود ہی کی خصلتیں ہیں۔

ایک سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ جب اللہ ان کے اوپر اس قدر غضبناک ہے تو وہ وقت کب آئے گا جب کہ ہر مومن صادق ان کے اوپر اپنا غضب دکھائے گا؟! اور ایمان کے تقاضے کے طور پر کب مومن مردوں اور عورتوں کے جذبات میں تلاطم برپا ہو گا، جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے: جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی، اللہ کے لیے کسی کو دیا اور اللہ کے واسطے کسی کو دینے سے باز رہا، تو اس کا ایمان کامل ہو گیا۔ (سنن ابی داؤد۔ رقم: ۴۶۸۱، ابوداؤد اس روایت کے تعلق سے سکوت اختیار کیے ہوئے ہیں تاہم انہوں نے اہل مکہ سے کہا تھا کہ جس روایت کے تعلق سے وہ خاموشی کا اظہار کریں وہ درست ہے، اس روایت کو منذری نے الترغیب والترہیب میں بیان کیا ہے، رقم: ۴/۸۵، حسن درجہ سے کم نہیں ہے، ممکن ہے کہ صحیحین کی شرائط پر پوری اتر رہی ہو یا کسی ایک کی شرائط پر پوری اتر رہی ہو۔)

(د) ایسی آیت جوظنی الدلالت ہیں، اوران میں اللہ کے غضب کا ذکر ہے، مثال کے طور پر:
أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْماً غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِم مَّا هُم مِّنكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ (المجادله:١٤) (بھلا تم نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جوایسوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہو وہ نہ تم میں ہیں نہ ان میں اور جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں۔)، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْماً غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ۔ (الممتحنه: ١٣) (مومنو! ان لوگوں سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے دوستی نہ کرو (کیونکہ) جس طرح کافروں کو مُردوں (کے جی اٹھنے) کی امید نہیں اسی طرح ان لوگوں کو بھی آخرت (کے آنے) کی امید نہیں۔)، جمہور مفسرین جن میں ابن کثیر، طبری، قرطبی اور جلالین قابل ذکر ہیں، وہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ منافقین یہود سے دوستی رچاتے تھے، اسی کے تعلق سے یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

دشمن نمبر (۲) منافقین:

سورہ الحشر سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین کے درمیان ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں، جو اگر چہ کہ مسلمانوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں تاہم ان کا قلبی لگاؤ اور فکری رشتہ کسی اور کے ساتھ ہوتا ہے، اور مستقبل میں ان کے انجام کا اللہ، اس کے رسول اور مومنین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، ان کا لگاؤ مکمل طور سے صرف اور صرف ان کے یہود دوست سے ہوتا ہے، اللہ تعالی ان منافقین کے تعلق سے فرماتا ہے:

ا۔أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَداً أَبَداً وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ. (الحشر: ١١) (کیا تم نے ان منافقوں کونہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے جو اہلِ کتاب ہیں کہا کرتے ہیں کہ اگر تم جلاوطن کئے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے مگر

اللہ ظاہر کیے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔)

۲۔ان کی دشمنی کس درجہ شدید ہے،اس کے بارے میں اللہ تعالی سورہ المنافقون میں فرماتا ہے:هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ۔ (المنافقون:٤) (یہ (تمہارے) دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہنا اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔)

امت اسلامیہ کے سلسلہ میں یہ منافقین اس درجہ خطرناک ہیں کہ اللہ تعالی نے ان کے سلسلہ میں ان کے نام سے ایک مکمل سورہ 'سورہ المنافقون' نازل فرمادی ہے،اس میں ان کے نفاق،فریب، دھوکہ دہی اور اللہ اور رسول سے دوستی کے جھوٹے دعوے کو کھول کھول کر بیان کردیا ہے، اللہ رب العزت نے اس میں صاف صاف خبردار کردیا ہے کہ یہ عملاً تمہارے دشمن ہیں،ان کی جانب سے لاحق ہونے والے اندیشوں کا ہی نتیجہ ہے کہ اللہ تعالی نے سورہ البقرۃ کی ابتدائی آیات میں مومنین کے بارے میں گفتگو کی ہے اور چار آیات میں ان کی صفات بیان کردیں،کافروں سے متعلق دو آیتوں میں گفتگو ہے،لیکن منافقین کے تعلق سے پوری تیرہ آیات (۸/تا۲۰) ہیں،جن میں کہا گیا کہ ان کے افعال اور اقوال میں تضاد پایا جاتا ہے،وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ اور مومنین کو دھوکہ میں رکھے ہوئے ہیں، ان کے دل مرض کا شکار ہیں،وہ زمین میں فتنہ وفساد پھیلاتے رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اصلاح کا کام کررہے ہیں،وہ مومنین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں،یہود سے دوستی پر فخر کرتے ہیں،متعدد آیات کے اندر ان کی رسوائی،ناکامی،اور جہالت ونامرادی کا ذکر آیا ہے،قرآن کی متعدد مدنی آیات کے اندر ان کی پوشیدہ باتوں سے پردہ اٹھاکر،ان کے رازہائے سربستہ کو افشاں کردیا گیا ہے،سورہ توبہ کے اندر تو مکمل طور سے مومنین صادقین اور ایمان کا جھوٹا دعوی کرنے والے منافقین کو الگ الگ کرکے رکھ دیا،فرمان الہی ہے:يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَن تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِم قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُونَ۔وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللّٰهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ۔ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ۔ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ

يَـأمُـرُونَ بِالْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُواْ اللّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُـمُ الْـفَـاسِـقُـونَ۔ وَعَـدَ الـلّـه الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ۔ (التوبہ: ٦٤ تا ٦٨) (منافق ڈرتے رہتے ہیں کہ اُن (کے پیغمبر) پر کہیں کوئی ایسی سورت (نہ) اُتر آئے کہ ان کے دل کی باتوں کو ان (مسلمانوں) پر ظاہر کردے، کہہ دو کہ ہنسی کئے جاؤ! جس بات سے تم ڈرتے ہو اللہ اُس کو ضرور ظاہر کر دے گا۔ اور اگر تم ان سے (اس بارے میں) دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔ کہو کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟۔ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں تو دوسری جماعت کو سزا بھی دیں گے کیونکہ وہ گناہ کرتے رہے ہیں۔ منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے کے ہم جنس (یعنی ایک ہی طرح کے) ہیں کہ بُرے کام کرنے کو کہتے اور نیک کاموں سے منع کرتے اور (خرچ کرنے سے) ہاتھ بند کئے رہتے ہیں۔ اُنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی اُن کو بھلا دیا بیشک منافق نافرمان ہیں۔ اللہ نے منافق مَردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے آتشِ جہنم کا وعدہ کیا ہے جس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔ وہی ان کے لائق ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے اور ان کیلئے ہمیشہ کا عذاب تیار ہے۔)

سورہ النساء کے اندر ان کے مناسب حال انجام سے باخبر کر دیا گیا: إِنَّ الْـمُـنَـافِـقِـيـنَ فِـي الـدَّرْكِ الأَسْـفَـلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا۔ (النساء: ١٤٥) (کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں اور تم اُن کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے۔)

اگر ہم اللہ رب العزت کے سچے بندے ہیں، تو ہم پر لازم ہے کہ ہمارے اندر بھی حضرت عمر فاروقؓ جیسا فہم اور جذبہ پایا جائے، آپؓ کے بارے میں آتا ہے کہ کچھ کچھ عرصے سے راز دار رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے پاس جاتے تھے اور ان سے عاجزانہ لہجے میں اس کی تفصیلات جاننے کی کوشش کرتے تھے، ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں کہ زید بن وہب نے فرمایا: منافقین میں سے ایک شخص کی موت ہوئی تو حضرت حذیفہؓ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی، حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا:

کیا یہ ان لوگوں میں سے ہے؟ آپ نے کہا: ہاں، اس پر عمرؓ نے فرمایا: قسم با خدا کیا میں بھی انہیں میں سے ہوں؟ فرمایا: نہیں، اور آپ کے بعد اب میں کسی کو اس کے متعلق ہرگز نہ بتاؤں گا۔ (المصنف لابن ابی شیبہ: الجزء: (۸)، صفحہ نمبر: ۶۳۷، کنز العمال للمتقی الھندی: الجزء: ۱۳، صفحہ نمبر: ۳۴۴)

کیا اس کے بعد بھی کوئی سچا مومن اس بات سے مکمل طور پر اعلان براءت کر سکتا ہے کہ وہ نفاق سے پوری طرح دور ہے، خواہ کلی طور پر نفاق ہو یا جزئی طور پر، حدیث میں آیا ہے کہ: چار خصلتیں جس کے اندر ہیں، وہ خالص منافق ہے: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، عہد و پیمان کرے تو اس کو توڑ ڈالے، جھگڑا ہو تو بد گوئی کرے، جس کے اندر بھی ان میں سے کوئی خصلت پائی جاتی ہے، مانا جائے گا کہ اس کے اندر نفاق کی خصلت موجود ہے حتی کہ وہ اس سے باز آ جائے۔ (صحیح البخاری، کتاب الجزیہ، باب اثم من عاھد ثم غدر، رقم: ۳۱۷۸)

سورہ الحشر میں منافقین کی صفات:

جب ہم منافقین سے متعلق گفتگو کے اس عام رخ سے نکل کر ان صفات پر نظر ڈالتے ہیں جن کا ذکر سورہ الحشر میں آیا ہے تو ہمیں درج ذیل نکات کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ منافقین کی گہری قربت یہود کے ساتھ ہے نہ کہ مومنین کے ساتھ، اللہ رب العزت کا فرمان ہے: **أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَداً أَبَداً وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ.** (الحشر: ۱۱) (کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے جو اہلِ کتاب ہیں کہا کرتے ہیں کہ اگر تم جلاوطن کیے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کا کہا نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے مگر اللہ ظاہر کیے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔)، ان کی اخوت مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہے، گرچہ ان کی زبان پر اسلام کا نام ہے لیکن وہ ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمنوں کے ساتھ رہے ہیں، پھر ان کے اور یہود کے

درمیان ایک غلط معاہدہ ہے، انہوں نے ان سے معاہدہ کر رکھا ہے کہ اگر ان کو نکالا گیا تو یہ بھی ان کے ساتھ نکل چلیں گے، اور ان کے سلسلہ میں کسی کا کہا نہ مانیں گے، اگر معرکہ گرم ہوا تو وہ مسلمانوں کی مدد نہیں کریں گے، بلکہ یہود کے ساتھ صف آرا ہو کر ان کی مدد کریں گے، ان کے اس معاہدے کے باوجود اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو بہت ہی تاکید کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ جس طرح یہود جن سے انہوں نے عہد و پیمان کیا ہے وہ غدار اور دھوکہ باز ہیں بالکل اسی طرح یہ بھی غدار اور دھوکہ باز ہیں، یہود جب نکالے جائیں گے تو یہ ان کے ساتھ ہرگز نہ نکلیں گے، جنگ ہوئی تو مدد کے لیے بھی نہ آئیں گے، اگر مدد کے لیے آ بھی گئے تو پلٹ کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ (آیت: ۱۲)

۳۔ ان منافقین کی حالت تو یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ مومنین کا خوف بیٹھا ہوا ہے، اور ان کو معاملات کی صحیح سوجھ بوجھ نہیں ہے۔ (آیت: ۱۳)

ذیل میں عہد رسالت سے چند اہم واقعات پیش ہیں، جن سے یہود کے ساتھ منافقین کی گہری دوستی اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی سلول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سخت انداز اختیار کرتے ہوئے گیا، اور آپ سے مطالبہ کیا کہ بنی قینقاع کے عہد شکن یہود کا محاصرہ ختم کر دیا جائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بے ادبی کی، حتی کہ آپ کے زرہ کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے کہ مجھے چھوڑ دو اور وہ مان نہیں رہا تھا، اور اپنی بات پر مصر ہو کر کہہ رہا تھا: نہیں، خدا کی قسم نہیں چھوڑوں گا، جب تک کہ آپ میرے حلیفوں کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتے، چار سو برہنہ سر اور تین سو زرہ پوش لوگوں نے آج تک میری ہر سرخ اور کالے سے حفاظت کی ہے، اور آپ ایک دن کے اندر ان سب کا صفایا کر رہے ہیں! بیشک مجھے مصائب کا اندیشہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات مان لی، اور ان کو حکم دیا کہ کوئی بھی مدینہ یا اس کے اطراف میں باقی نہیں رہے گا، چنانچہ وہ سب شام کی جانب نکل گئے اور وہاں ان میں سے بیشتر ہلاک ہو گئے۔ (سیرۃ

ابن ہشام، جزء ثانی، ما کان من ابن ابی مع الرسول، ص:٦٥٦)

۲۔غزوہ احد کے موقع سے عبداللہ بن ابی بن سلول تین سو جنگجوؤں کو لے کر واپس چلا گیا، یہ کہتے ہوئے کہ نہیں معلوم کیوں ہم اپنے آپ کا قتل کرنے پر آمادہ ہیں؟! اس بات کا گلہ کرتے ہوئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کے سلسلہ میں بڑے بوڑھوں کے بجائے نوجوانوں کی بات مان لی ہے۔(سیرۃ ابن ہشام، جزء ثانی، انخذال المنافقین، ص:٦٧٠)

۳۔غزوہ احزاب کے موقع سے انہوں نے مسلمانوں کے جسم کو چھلنی کرنے کی کوشش کی تھی، فرمان الٰہی ہے:وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا۔(الاحزاب:١٢) (اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم سے محض دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔)، اور فرمایا:وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا۔ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا۔ (الاحزاب:١٣، ١٤) (اور جب ان میں سے ایک جماعت کہتی تھی کہ اے اہلِ مدینہ!(یہاں) تمہارے لئے (ٹھہرنے کا) مقام نہیں تو لوٹ چلو اور ایک گروہ ان میں سے پیغمبر سے اجازت مانگنے اور کہنے لگا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔ اور اگر (فوجیں) اطرافِ مدینہ سے ان پر آ داخل ہوں پھر اُن سے خانہ جنگی کیلئے کہا جائے تو (فوراً) کرنے لگیں اور اس کیلئے بہت ہی کم توقف کریں۔)

۴۔بنی نضیر کے یہودی تو ابتدا ہی میں ہتھیار ڈال دیتے لیکن منافقین کے سردار نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ثابت قدم رہو، دفاع کرتے رہو، اپنے گھروں سے نہ نکلنا، میرے ساتھ دو ہزار کی تعداد میں لوگ ہیں، وہ تمہارے ساتھ قلعہ میں داخل ہوں گے، اور وہ تمہارے لیے جان دینے پر آمادہ ہیں۔(سیرۃ ابن ہشام(۳:۱۴۳تا۱۵۴))، اس بات کا مکمل بیان قرآن میں موجود ہے: أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ

وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَداً أَبَداً وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ۔ (الحشر: ١١)
(کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے جو اہلِ کتاب ہیں کہا کرتے ہیں کہ اگر تم جلا وطن کئے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کا کہا نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے مگر اللہ ظاہر کئے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔)، یہ ایک ایسے مشکل وقت کی بات ہے جب غزوہ احد کے سخت معرکہ میں ستر مسلمانوں کی جانیں چلی گئی تھیں اور ستر کافی شدید زخموں کا شکار تھے، لیکن منافقین کے تیر ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے ساتھ ہی رہے۔

۵۔ بخاری اور مسلم نے اپنی سند سے عروہ بن زبیرؓ سے روایت کی ہے کہ اسامہ بن زیدؓ نے ان کو اس بات کی خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار تھے،۔۔۔اسامہؓ ان کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نکلے اور ایک مجلس تک پہنچے، وہاں عبداللہ بن ابی بیٹھا ہوا تھا، اس وقت تک عبداللہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس مجلس میں مسلم، بت پرست اور یہود سب جمع تھے، اس مجلس میں عبداللہ بن رواحہ بھی تھے، جب سواری کی گرد مجلس تک پہنچی تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک چادر سے بند کر لی، کہا کہ دھول مت اڑاؤ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئے، سلام کیا اور کھڑے ہو گئے، سواری سے اتر کر ان کو اسلام کی دعوت دی اور کچھ قرآنی آیات تلاوت فرمائی، اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا: اے شخص سنو، اگر تمہاری بات سچ ہے تو تم جو کہہ رہے ہو اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے، لیکن ہماری مجلس میں ہمیں پریشان نہ کرو، اپنی سواری کے پاس جاؤ، جو وہاں آئے اس کو سناتے رہنا، ابن رواحہ نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول، ہماری مجالس میں ہم کو سنایا کیجئے، اس پر تمام مسلمان، یہود اور مشرک آپس میں ایک دوسرے سے بحث و مباحثہ کرنے لگے اور کافی شور وغل ہونے لگا، آپ ان کو خاموش کراتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ (صحیح البخاری، کتاب الادب، باب کنیۃ المشرک، رقم: ۵۷۳۹، صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب فی دعاء النبی الی اللہ وصبرہ، رقم: ۳۳۵۶)

۶۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحشؓ سے نکاح کیا، یہ آپ کی پانچویں بیوی

تھیں، تو ان سب نے خوب شور وغوغا کیا کہ آپ کیسے عرب کے رسم و رواج کے خلاف کام کر رہے ہیں اور اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر رہے ہیں؟! اس طرح انہوں نے بہت سے جھوٹ گڑھ لیے اور کہنے لگے کہ اللہ کے رسول نے اچانک ان کو دیکھا تو آپ کی نظر میں وہ بھا گئیں، آپ نے زید کو حکم دیا کہ طلاق دے دو اور خود اس سے نکاح کر لیا؟!

۷۔ ابن ہشام نے لکھا ہے (سیرۃ ابن ہشام، الجزء الثانی: ص: ۲۹۱) کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے غزوہ بنی مصطلق کے موقع سے مہاجرین کے متعلق فرمایا: ہمارے سر چڑھ گئے اور ہماری سرزمین میں ہمارا بائیکاٹ کیا، ان کی اور ہماری مثال تو بالکل ایسے ہی ہے جیسا کہ پہلے کے لوگوں نے کہا ہے: اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کرو گے تو وہ تم ہی کو کھا ڈالے گا، سن لو خدا کی قسم! جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو عزت والا، شخص ذلت والے کو مدینہ سے نکال باہر کرے گا، اسی سلسلہ میں فرمان الٰہی ہے:

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنفِقُوا عَلَى مَنْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنفَضُّوا وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ۔ يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ (المنافقون: ۷، ۸) (یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس (رہتے) ہیں ان پر (کچھ) خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ (خود بخود) بھاگ جائیں حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینے پہنچے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے حالانکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی لیکن منافق نہیں جانتے۔)

۸۔ غزوہ بنی مصطلق ہی کے موقع سے انہوں نے افک والا قصہ گڑھا تھا، اور ام المومنین عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی، جب کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور ابو بکر صدیقؓ کی دختر نیک تھیں، ان کے اوپر زنا کی تہمت لگانے والے یہی لوگ تھے، قرآن نے اس معاملہ کو بھی بیان کر کے منافقین کو خوب رسوا کیا، فرمان الٰہی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ جَاؤُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ

امْرِءٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ (النور: ١١)
(جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک جماعت ہے اُس کو اپنے حق میں بُرا نہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لئے اچھا ہے ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اُس کیلئے اتنا وبال ہے اور جس نے اُن میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اُس کو بڑا عذاب ہوگا۔)

۹۔ غزوہ خیبر کے موقع پر عبداللہ بن ابی نے یہودیوں کے پاس کہلا بھیجا تھا کہ محمد اپنے لشکر کے ساتھ تمہاری طرف پیش قدمی کر رہے ہیں، ہوشیار ہو جاؤ، خوف مت کھانا، تمہاری تعداد اور تیاریاں سب بہت اچھی ہیں، محمد اور اس کی قوم بہت ہی معمولی تعداد میں ہیں، ان کے پاس کوئی بہت زیادہ ہتھیار بھی نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل خیبر مقابلہ پر آئے اور قتال پر آمادہ ہو گئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو رسوا کیا اور مومنین کو فتح و نصرت سے نوازا۔

دشمن نمبر (۳) شیطان:

سورہ الحشر میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ شیطان ہر انسان کا دشمن ہے:

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ. فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ. (الحشر: ١٦، ١٧) ((منافقوں کی) مثال شیطان کی سی ہے کہ انسان سے کہتا رہا کہ کافر ہو جا جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں مجھ کو تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں (داخل ہوئے) ہمیشہ اس میں رہیں گے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔)

اس معنی کو اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں زور دے کر بیان فرمایا ہے، سورہ فاطر میں ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ. (فاطر: ٦) (شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنے (پیرووں کے) گروہ

کو بلاتا ہے تا کہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔)

ذیل میں شیطان کے رب کے ساتھ تعلقات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے:

۱۔ سرکشی، نافرمانی، فسق، کفر اور اللہ کے سامنے استکبار کی روش، فرمان الٰہی ہے: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ۔ (الکھف: ۵۰) (اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا۔) اور ایک جگہ فرمایا: فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ۔ إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ۔ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ۔ قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ۔ (الحجر: ۳۰ تا ۳۳) (تو فرشتے تو سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔ مگر شیطان کہ اُس نے سجدہ کرنے والوں کیساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟۔ (اس نے) کہا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو جس کو تو نے کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے بنایا ہے سجدہ کروں۔) ایک جگہ مزید فرمایا: وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا۔ (الاسراء:۲۷) (اور شیطان تو اپنے رب (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے۔)

۲۔ شیطان نے رب کو چیلنج کیا ہے: قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ۔ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔ (ص: ۸۲، ۸۳) (کہنے لگا کہ مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا۔ سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔)

شیطان کے رب کے ساتھ تعلقات کے یہ چند پہلو ہیں، یہ پہلو اس بات کی وضاحت کے لیے کافی ہیں کہ بندۂ مومن کو شیطان کے تعلق سے سخت موقف اختیار کرنے کی ضرورت ہے، شیطان کی انسان دشمنی کی بات جہاں تک ہے، قرآنی نصوص کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے، ذیل میں شیطان کی انسان دشمنی سے متعلق کچھ آیات پیش کی جا رہی ہیں، تا کہ ان آیات پر تدبر و تفکر کیا جائے:

☆إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔ (الاعراف:۲۲) (شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔)

☆إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔ (یوسف:۵) (کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔)

☆إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا۔ (الاسراء:۵۳) (کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔)

☆إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا۔ (فاطر:٦) (شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔)

☆وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔ (الزخرف:٦٢) (اور (کہیں) شیطان تم کو (اس سے) روک نہ دے وہ تو تمہارا اعلانیہ دشمن ہے۔)

ان تمام آیات سے ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ انسان، آدم وحوا اور عام نوع انسانی کا خطرناک دشمن ہے، تمام انسانوں کے ساتھ لام اضافت سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی دشمنی کی دو خصوصیات ہیں:

۱۔شیطان کا یہ خاص کام ہے۔

۲۔شیطان اس کے لیے خود کو فارغ کیے ہوئے ہے۔

شیطان صرف اور صرف ہمیں گمراہ کرنے اور ہمیں راہ راست سے ہٹا دینے کے متعلق سوچتا ہے، اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی کام ہے ہی نہیں کہ وہ ہمیں اپنے رب سے غافل کردے اور اس کی نافرمانی پر آمادہ کردے، چنانچہ مکمل طور سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ جس طرح سے شیطان مکمل طور سے، یکسوئی کے ساتھ انسان دشمنی کے لیے خود کو فارغ کیے ہوئے ہے، اسی طرح ہمیں بھی اس سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

میں نے ان تمام آیات کا مطالعہ کیا جن کے اندر شیطان کے اللہ رب العزت کے ساتھ اور انسانوں کے ساتھ تعلقات کا ذکر آیا ہے، ان تمام آیات میں ایک بھی آیت سورہ فاطر کی آیت جیسی نہیں

ہے، جس میں شیطان کا کام اور پیغام اس قدر واضح نظر آتا ہو۔ سورہ فاطر میں ہے:

إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ۔ (فاطر:٦) (وہ اپنے (پیروؤں کے) گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔)

وہ اللہ کے گروہ سے لوگوں کا شکار کرتا ہے تاکہ ان کو شیطان کے گروہ میں ڈال دے، اس کا ہدف یہ ہے کہ تمام انسان جہنم میں اس کے ساتھی بن جائیں، اب انسان کے اوپر ہے کہ وہ اپنے لیے کیا کچھ پسند کرتا ہے، آیا وہ ایک ربانی بندہ بنتے ہوئے اللہ کی پارٹی میں شمولیت اختیار کرتا ہے یا پھر سرکشی اختیار کر کے شیطان کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے انسانوں کو سورہ یس کے اندر سخت ملامت کی ہے، فرمان الٰہی ہے: أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔ (یس:٦٠) (اے آدم کی اولاد! ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔)، اور فرمایا: فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔ (یس:٥٤) (اس روز کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو بدلا ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے۔)

شیطان کی صفات اور اس سے بچاؤ کی تدابیر:

۱۔ شیطان ایک ایسا دشمن ہے جو انسان دشمنی کے لیے مکمل طور سے فارغ ہے، اس کا ہدف واضح ہے کہ وہ تمام انسانوں کو جہنم کی آگ کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔

۲۔ فطرت اور قرآن کا سامنا کرنے کے لیے شیطان خواہشات نفسانی کے ساتھ لگ جاتا ہے، عقل حیران رہ جاتی ہے کہ آیا رحمٰن کی آواز پر لبیک کہے یا پھر خواہشات نفسانی اور شیطان کی آواز پر۔

۳۔ شیطان چاہتا ہے کہ انسانوں کے درمیان دشمنی کی آگ بھڑکا دے، مومنین کو اس سے غم ہو اور ہر سو عریانیت، کفر وفسق اور رب کی نافرمانی عام ہو جائے۔

۴۔ شیطان چوبیس گھنٹے اپنے کام میں مصروف رہتا ہے، اگر انسان نیند کی آغوش میں چلا گیا تو اس کو تھپکی دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ اسے نماز تہجد اور فجر سے غافل کر دیتا ہے، اس طرح انسان کی آخری

سانس تک کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

۵۔ انسان کے خلاف معرکہ میں شیطان تمام ہی جنگی آلات وتدابیر کا استعمال کر بیٹھتا ہے، قائد جس کی اطاعت کی جاتی ہے، فوج، جنگی آلات، جنگ کا مقام، حملہ کرنا، بھاگ کھڑے ہونا، قید کرنا، قتل کرنا، اور تشدد کا معاملہ کرنا، اور یہ تمام امور قرآن سے پتہ چلتے ہیں۔

۶۔ شیطان کا بہکانے اور گمراہ کرنے کا یہ عمل مختلف مراحل میں انجام پاتا ہے، کبھی اس کو غافل کر دیتا ہے، کبھی اس کو کام ٹالنے کی ترغیب دیتا ہے، تاہم اگر شیطان کا حربہ کامیاب نہیں ہو پایا اور انسان نیک کاموں میں لگ گیا، تو شیطان دوسرے دروازے سے اس پر حملہ کرتا ہے اور اس کے اندر ریاکاری اور نام ونمود کی حرص پیدا کر دیتا ہے، یا اس کو کام کی تکمیل سے پہلے ہی واپس لوٹا دیتا ہے، یا پھر اس کو کام کے اس انداز پر آمادہ کرتا ہے کہ جس میں قرآن وسنت کی اتباع نہ ہو، اگر اس مرحلے میں بھی شیطان نامراد لوٹا تو پھر کام کی تکمیل پر وہ اپنا حربہ استعمال کرتا ہے کہ اس کو اس بات پر راضی یا پھر مجبور کر دیتا ہے کہ وہ احسان جتانے لگے، اس طرح اس کا سب کیا دھرا غارت ہو جاتا ہے۔

۷۔ شیطان آتا ہے تو ایک سے ایک خواب دکھا کر دھوکہ میں ڈالتا ہے، اس نے آدمؑ سے کہا تھا کہ کیا میں تمہیں اس درخت کا پتہ نے دے دوں جو ہمیشگی کا درخت ہے اور اس بادشاہت کا جس کے اندر دوام ہے، یعنی وہ اس طور پر اس کے پاس آتا ہے کہ اس کا بہت بڑا خیر خواہ معلوم ہوتا ہے، انسان کی شیطانی وسوسوں سے غفلت اور ذکر الٰہی سے بے رغبتی شیطان کے لیے مزید راہیں ہموار کرتی ہے۔

۸۔ شیطان کے ساتھ ہونے والے معرکہ کے سلسلہ میں کامیاب ہتھیار ایک منظم نہ کہ منتشر اور بے ربط تعلیم کا انتظام ہے، دن رات اللہ کی یاد ذہن میں مستحضر رکھنا، فرائض کے ساتھ نوافل کا اہتمام، اللہ کے نیک اور صالح بندوں کی صحبت، شیطانی وسوسوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مکمل تیاری، شیطان ایک فکر سے قبل ایک خطرہ کی صورت میں آتا ہے، پھر عزم بن جاتا ہے، پھر فہم، عقل، عادت اور آخر میں فسق اور نیک عمل کی مخالفت تک معاملہ پہنچ جاتا ہے، موت کی آخری گھڑی تک شیطان کے ساتھ معرکہ کے سلسلہ میں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، تاکہ ہم اللہ سے اس حالت میں ملیں کہ وہ ہم

سے راضی ہوا اور ہم اس سے خوش۔

سورہ الحشر کی روشنی میں اور پورے قرآن کو سامنے رکھتے ہوئے چند باتیں بیان کی گئی ہیں، اب ضرورت ہے کہ ان کو ہمارے جذبات، ہمارے اصولوں اور ہمارے منصوبوں اور پروگراموں میں جگہ دی جائے، تاکہ ہم ان تینوں ظالم دشمنوں کا صحیح طور سے مقابلہ کرسکیں، اگر ہمارے اندر رب کائنات کی سچی محبت پائی جاتی ہے تو اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ہمارے سارے فیصلے اور منصوبے اس کی رضامندی اور ناراضگی کو پیش نظر رکھ کر طے کیے جائیں۔ یہود، منافقین اور شیطان تینوں ہی دشمنوں پر اللہ کی جانب سے لعنت بھیجی گئی ہے، میرے خیال سے سورہ البقرۃ کے اندر اللہ تعالی نے منافقین کے ذیل میں ان تینوں کے آپسی تعلقات کو متعین طور سے بیان کردیا ہے (ابن کثیر: ۲۶۹/۱): وَإِذَا لَقُواْ الَّذِينَ آمَنُواْ قَالُواْ آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْاْ إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُواْ إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ۔ (البقرہ: ١٤) (اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں میں جاتے ہیں تو (اُن سے) کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور ہم (پیروانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے) تو ہنسی کیا کرتے ہیں۔)، سدی نے ابو مالک سے روایت کی ہے: ان کے رہبر شیاطین ہیں، ان کے سرداروں میں یہودی پادری، سرداران مشرکین اور منافقین ہیں۔

مجھے اس بات میں ادنی سا شک وشبہ نہیں کہ رب کائنات نے اس سورہ میں واضح طور سے بیان کردیا ہے کہ ہمارے یہ تین دشمن، یہود، منافقین اور شیطان آج بھی ہمارے دشمن ہیں اور مستقبل میں بھی یہ ہمارے دشمن رہیں گے۔ میرا خیال ہے کہ فلسطین میں صہیونیوں کی صورتحال اور عالم عرب اور عالم مغرب سے ان کے حلیف منافقین اور شیطانی خیالات جن کا مستقل سیاست، معیشت اور میڈیا وغیرہ مختلف میدانوں میں مشاہدہ کیا جاتا رہتا ہے، یہ سب کچھ فرمان الہی کے مطابق ہیں کہ جس میں پہلے ہی آگاہ کردیا گیا کہ:

شَيَاطِينَ الإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوراً۔ (الانعام: ١١٢) (ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنادیا تھا وہ دھوکا دینے کیلئے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے۔)

فصل چہارم

یہود کے ساتھ ہمارے معرکے کا انجام فدیہ ہے

'الفئ' کا لفظ لغت میں افاء سے ہے، جس کے معنی ہیں لوٹنا، کہتے ہیں کہ اس کا غصہ فوراً لوٹ جاتا ہے، زوال کے بعد جو سایہ ہوتا ہے اس کو بھی فیٔ کہتے ہیں۔ (الصحاح فی اللغۃ للجوہری: ۱/۶۳، ایڈیشن: دارالعلم للملایین، ۱۹۵۶ء)

فقہاء کے مطابق شریعت میں 'الفئ' کہتے ہیں اس فدیہ کو جو مشرکین سے بغیر جنگ کیے حاصل کیا جاتا ہے، جس کے لیے نہ گھوڑوں کو دوڑانا پڑے اور نہ شہسواروں کو۔ (الام للشافعی ۴/۶۳، الغیاثی للجوینی، فقرہ: ۳۴۸، السیاسۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ، ص: ۴۵)

غنیمۃ کا لفظ لغت میں غنم الشیٔ سے ہے، جب کسی چیز کو کامیابی کے ساتھ حاصل کرلیا جائے، تو اس مال کو مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ (لسان العرب لابن منظور المصری: ۷/۲۷/۳۳۰)

شریعت میں مال غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو کفار کو زیر کرنے کے بعد حاصل کیا جاتا ہے (الخراج لابی یوسف، ص: ۱۸، الخراج لیحیی بن آدم، فقرہ: ۱۱، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: ۱/۸)

ماضی اور حال کے شواہد سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ یہود کی یہ پرانی عادت ہے کہ اپنے اطراف پھولے ہوئے غبارہ کی طرح احاطہ بندی کرڈالتے ہیں، قلعوں کی تعمیر، طاقت وقوت، جنگی آلات اور ساز وسامان کی تیاری، لگتا ہے کہ جنگ کے میدان میں ڈٹ کر مقابلہ کریں گے، لیکن جب وقت آتا ہے تو ایسے منہ دبا کر بھاگتے ہیں، جیسے ایک چوہا ڈر کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے، مجھے اس وقت ایک قصہ یاد آرہا ہے، حضرت عمر بن الخطابؓ اور عمرو بن معدی کرب کا جو کہ ایک دلیر اور بہادر شہسوار تھا، عمرؓ نے اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تلوار دیکھی تو کہا: اے عمرو کیا اس معمولی سی تلوار سے تم اپنے دشمنوں

کے دل میں خوف پیدا کرتے ہو؟ اس نے فوراً جواب دیا: اے امیر المومنین، تلوار کا تعلق تو تلوار بردار سے ہوتا ہے، اگر ایک معمولی سی تلوار ایک دلیر شہسوار کے ہاتھ دے دی جائے تو ایک بزدل اور مغرور دشمن کو زیر کر دے گا، خواہ اس کے پاس کیسے ہی ہتھیار اور ساز و سامان ہوں۔ بعض لوگوں کے ہاتھ میں معمولی قیمت کا قلم ہوتا ہے، لیکن وہ اسی قلم سے ایسے جوہر دکھاتے ہیں کہ پوری دنیا میں کہرام مچ جاتا ہے، اور بعض لوگ سونے اور جواہرات سے بنا ہوا قلم رکھتے ہیں لیکن ان کے پاس اتنی استعداد نہیں ہوتی کہ وہ اپنے خیالات اور مطالبات قلم بند کر سکیں۔ چنانچہ اس بات کی ضرورت ہے کہ بہادر، خوددار اور جواں عزم مسلمان یہودیوں کو کچھ بھی نہ سمجھیں خواہ وہ کتنے ہی آلات حرب اور ساز و سامان کا مظاہرہ کیوں نہ کر ڈالیں کہ وہ دشمنوں کو زیر کر دیں گے، کیونکہ موقع پڑنے پر دیکھنے کو یہی ملے گا کہ وہ پیچھے ہٹ گئے یا پھر معرکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے، ہم کو ان کے ساتھ ایک فیصلہ کن معرکہ کی تیاری کرنی چاہئے خواہ ان کی جانب سے طاقت وقوت کے کتنے ہی مظاہرے ہوں۔

سورہ الحشر کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے الفئی کا تذکرہ دو مرتبہ اس سورہ میں کیا ہے، فرمایا گیا:

وَمَا أَفَاء اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَن يَشَاء وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. مَّا أَفَاء اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاء مِنكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ. (الحشر: ۶، ۷) (اور جو (مال) اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے (بغیر لڑائی بھڑائی کے) دلوایا ہے اس میں تمہارا کچھ حق نہیں کیونکہ اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ اللہ کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ جو لوگ تم

میں دولتمند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔)

فئی کا تذکرہ صرف سورہ الحشر میں آیا ہے اور وہ بھی بنی نضیر کے ساتھ ہوئے معرکہ کے تناظر میں، اس کا سبب نزول تو معرکہ بنی نضیر ہی ہے، لیکن شریعت کے اصول بنانے اور حالات پر اس کی تطبیق کرنے میں کوئی حصر نہیں ہے، کیونکہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے نہ کہ مخصوص اسباب کا، میرے عقل و وجدان میں یہ بات گھر کر گئی کہ یہود نے مومنین کے ساتھ کسی قسم کی معرکہ آرائی نہیں کی تھی، آگے میں سورہ الحشر اور قرآن کے دیگر مقامات اور پھر یہود کے ساتھ ہوئے چاروں معرکوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فکر کا ایک نیا دروازہ کھولنے کی کوشش کروں گا، ہم کو اس سلسلہ میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآنی نصوص اور سیرت نبوی کے مطابق ان غزوات کا انجام کیا ہوا:

اول: قرآنی نصوص:

الف: لايُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيْعاً إِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَاءِ جُدُرٍ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعاً وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى. (الحشر: ۱۴) (یہ سب جمع ہو کر بھی تم سے (بالمواجہہ) نہیں لڑ سکیں گے مگر بستیوں کے قلعوں میں (پناہ لے کر) یا دیواروں کی اوٹ میں (مستور ہو کر) ان کا آپس میں بڑا رعب ہے تم شاید خیال کرتے ہو کہ یہ اکٹھے (اور ایک جان) ہیں مگر ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔)

ب: وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيّاً وَلَا نَصِيْراً۔ (الفتح: ۲۲) (اور اگر تم سے کافر لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر کسی کو نہ دوست پاتے اور نہ مددگار۔)

ت: إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ۔ (الانفال: ۳۶)

(جولوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں) کو اللہ کے رستے سے روکیں سو ابھی اور خرچ کریں گے مگر آخر وہ (خرچ کرنا) اُن کیلئے (موجبِ) افسوس ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔)

ث: قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ إِلَى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۔ (آل عمران: ١٢) ((اے پیغمبر) کافروں سے کہہ دو کہ تم (دنیا میں بھی) عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے اور (آخرت میں) جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بُری جگہ ہے۔)

دوم: عہد نبوی کے غزوات:

یہود کے خلاف ان کے مکر وفریب اور فتنہ وفساد کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار غزوات لڑے، ذیل میں ان غزوات کے اسباب اور حادثات کے بارے میں اختصار کے ساتھ کچھ بیان کیا جائے گا:

ا۔ غزوہ بنی قینقاع کے اسباب اور واقعات:

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہود نے ایک ایسا پیغام بھیجا جس میں کچھ عسکری اور دھمکی آمیز بیانات تھے، لیکن وہ اس پر ثابت قدم نہیں رہ سکے، غزوہ بدر میں آپ کی شاندار فتح کے بعد بنی قینقاع کے یہود نے آپ کو لکھ بھیجا کہ: اے محمد کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم تمہاری قوم کے جیسے ہیں؟! تم جنگ کی تدابیر سے ناواقف ایک قوم سے لڑائی میں فتح یاب ہو کر دھوکہ کا شکار نہ ہو جانا، خدا کی قسم جس دن ہم سے سامنا ہو گیا تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم کون لوگ ہیں۔ (السیرۃ لابن ہشام: ۴۴/۲)

یہ ایک بہت ہی اشتعال انگیز پیغام تھا، تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد کا پاس رکھتے ہوئے کچھ نہ کہا، لیکن یہود کو عہد شکنی کی ایسی لت لگی ہوئی تھی کہ انہوں نے بنی قینقاع کے بازار میں ایک عورت کو برہنہ کر دیا، اس پر ایک مسلم کی رگ حمیت پھڑک اٹھی، اور اس کی مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہوا اور جس یہودی نے یہ حرکت کی تھی اس کا سر قلم کر ڈالا، اس پر یہود نے اس مسلم کو قتل کر دیا، چنانچہ اسی روز نبی صلی

اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کرلیا، کسی نے ایک تیر نہیں چلایا، کسی نے تلوار نہیں اٹھائی، وہ ڈر اور خوف کھائے پندرہ روز تک قلعہ بند رہے، اسی طرح ان کا محاصرہ جاری رہا، حتی کی منافقین کی سفارش پر محاصرہ اس شرط پر اٹھایا گیا کہ یہ لوگ رسوائی کے ساتھ اپنے وطن اور سرزمین کو مسلمانوں کے لیے بنا کسی جنگ کے مال غنیمت (فئی) کے طور پر چھوڑ جائیں گے، (المغازی للواقدی: ۶ ۱۷ تا ۱۸۰) ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ بنی قینقاع وہ پہلے یہود تھے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد شکنی کی تھی، اور بدر واحد کے درمیان ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔(السیرۃ لابن ہشام: ۴۵/۲)

۲۔غزوہ بنی نضیر کے اسباب اور واقعات:

یہ سورہ الحشر کا موضوع ہے، غزوہ کے اسباب اور واقعات سے متعلق تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خیانت اور عہد شکنی کی تکرار کے باعث یہ غزوہ پیش آیا تھا، ابن ہشام ابن اسحٰق سے روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر کے یہاں بنی عامر کے مقتولین کی دیت کا مطالبہ کرنے گئے تھے، جن کو عمرو بن امیہ الضمری نے قتل کر ڈالا تھا، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امان دی تھی، اور بنی نضیر اور بنی عامر کے درمیان معاہدہ بھی تھا، جب آپ اس کے مطالبے کے لیے گئے تو انہوں نے کہا: ہاں ابوالقاسم، آپ کے مطالبہ پر ہم آپ کی مدد کریں گے، خواہ جتنا بھی آپ ہم سے اس کے بدلے مطالبہ کریں گے، پھر کچھ لوگوں نے تنہائی میں جا کر باتیں کیں، کہ آج جس حالت میں تم محمد کو دیکھ رہے ہو پھر کبھی موقع نہیں ملے گا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر کے پاس دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے) ایک آدمی گھر کے اوپر جائے اور اس کے اوپر چٹان گرا دے، اس طرح ہم کو اس سے مستقل سکون حاصل ہو جائے گا، اس کے لیے عمرو بن جحاش بن کعب نے خود کو پیش کر دیا، اور آپ کے اوپر اور آپ کے صحابہ جن میں ابوبکرؓ وعمرؓ اور علیؓ تھے، چٹان گرانے کے لیے چڑھ گیا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان سے ان کے ارادوں سے باخبر کر دیا گیا، آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی ڈانٹ ڈپٹ کی، اور پھر مسلمانوں کا ایک لشکر لے کر ان کے اوپر چڑھائی کر دی، اور سات راتوں تک ان کا محاصرہ

کیے رہے، وہ قلعہ بند تھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے درخت کاٹ کر ان کو نذر آتش کرنے کا حکم دے دیا، اس پر انہوں نے پکارا کہ اے محمد تم ہم کو فساد پھیلانے سے روکتے تھے، اور جو ایسا کرتا تھا، اس پر ناگواری کا اظہار کرتے تھے، آج کیا ہو گیا کہ کھجور کے درخت کو کاٹ کر ان میں آگ لگا رہے ہو؟!

قبیلہ بنی عوف بن خزرج کے کچھ لوگوں نے جن میں عبداللہ بن ابی اور ودیعہ اور مالک بن ابی قوقل، سوید اور داعس تھے، انہوں نے بنی نضیر کے پاس کہلا بھیجا کہ ثابت قدم رہو، مضبوطی کا مظاہرہ کرتے رہو، ہم تم کو ان کے حوالے نہیں کریں گے، اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے، اگر تم کو جلاوطن کیا گیا تو بھی ہم تمہارے ساتھ ہوں گے، وہ ان کی مدد کا انتظار کرتے رہ گئے، لیکن انہوں نے کوئی مدد نہیں کی، اللہ تعالی نے ان کے دلوں میں ڈر اور خوف ڈال دیا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ان کو جلاوطن کر دیا جائے اور ان کا خون بخش دیا جائے، ان کے ساتھ مال بردار اونٹ جانے دیے جائیں البتہ کوئی ہتھیار ساتھ نہیں لے جائیں گے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات مان لی، وہ اپنے اونٹوں پر جتنا کچھ لاد سکتے تھے، لادا اور لے کر چلے گئے، ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے گھروں کو برباد کرتے، ان کے دروازے اکھاڑ دیتے اور اس کو اپنے اونٹ پر رکھ کر نکل پڑتے، اس طرح وہ خیبر کی جانب کوچ کر گئے، اور ان میں سے بعض لوگ شام کی جانب چلے گئے۔ (السیرۃ لابن ہشام: ۱۸۶/۲ تا ۱۹۳، بعض معمولی تبدیلی کے ساتھ، المغازی للواقدی میں بھی یہ واقعہ موجود ہے، ص: ۳۶۳ تا ۳۷۱)

۳۔غزوہ بنی قریظہ کے اسباب اور واقعات:

غزوہ بنی قریظہ کے اسباب میں ان کی عہد شکنی اور فریب دہی شامل تھی، ان کے ساتھ یہ معاہدہ تھا کہ جنوب کی جانب سے مدینے کی حفاظت کریں گے، تاہم جب چہار جانب سے لشکروں نے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کے ارادے سے دس ہزار کی تعداد میں مدینہ پر چڑھائی کر دی، اس

وقت مسلمانوں کی جانب سے شمال کی سمت میں کھودی گئی خندق اور مشرق ومغرب کے پہاڑوں کے سبب ان کے لیے مدینہ پر چڑھائی ناممکن تھی، اس موقع پر جنوب کی جانب آباد یہود بنی قریظہ سے انہوں نے ساز باز کی کہ وہ ان کو اس جانب سے مدینہ میں داخلہ کی اجازت دے دیں، یہودیوں نے ان کی اس پیشکش کو قبول کرلیا، چنانچہ ان کے انجام سے متعلق قرآن کہتا ہے:

وَأَنزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُم مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقاً تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقاً۔ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضاً لَّمْ تَطَؤُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا۔ (الاحزاب: ۲۶، ۲۷) (اور اہلِ کتاب میں سے جنہوں نے اُن کی مدد کی تھی اُن کو اُن کے قلعوں سے اتار دیا اور اُن کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو کتنوں کو تم قتل کر دیتے تھے اور کتنوں کو قید کر لیتے تھے۔ اور اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور اُن کے مال اور اُس زمین کا جس میں تم نے پاؤں بھی نہیں رکھا تھا تم کو وارث بنا دیا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔)

سیرت میں اس کا جو واقعہ بیان ہوا وہ بہت ہی تعجب خیز ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے کئی ماہ تک ان احزاب کا سامنا کیا، جو احزاب یہود کے بلاوے اور سازش کے نتیجے میں مدینہ پر چڑھ آئے تھے، ان کا ارادہ تھا کہ مدینہ سے اہل اسلام کو اکھاڑ پھینکیں گے، اللہ رب العزت نے اس مشکل گھڑی کے متعلق فرمایا:

إِذْ جَاؤُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا۔ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالاً شَدِيدًا۔ (الاحزاب: ۱۰، ۱۱) (جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے۔)

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیلؑ کے حکم سے صحابہؓ کو حکم دیا کہ فوری تیار ہو کر اس جانب کوچ کر جائیں، وہاں جا کر ان کا محاصرہ کیا گیا، اس پورے واقعہ کے بارے مولانا مبارکپوریؒ لکھتے

ہیں (الرحیق المختوم: ص: ۲۴۶ تا ۲۴۹): جب معرکہ خوب گرم ہو گیا تو ان کے سردار کعب بن اسد نے تین امور کی پیشکش کی: یا تو وہ اسلام لے آئیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا دین قبول کر لیں، اس طرح ان کا خون، ان کے مال اور ان کے بال بچے سب کو امان دے دی جائے گی، اس نے ان سے کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ وہ مبعوث کردہ نبی ہے، اور اس کا ذکر تمہاری کتاب میں موجود ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے بال بچوں کا خون کرو، اور بے نیام تلواریں لے کر محمد کی جانب نکل پڑو، ان کا مقابلہ کرتے رہو تا آنکہ تم کو فتح نصیب ہو جائے، یا تم سب قتل کر دیئے جاؤ۔ تیسری صورت یہ ہے کہ تم سب سنیچر کے روز اچانک محمد اور ان کے ساتھیوں پر ہلہ بول دو، کیونکہ ان کو اس دن اطمینان رہے گا کہ کوئی اس دن حملہ نہیں کرے گا، لیکن ان سب نے ایک صورت بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، بالآخر ان کے سردار کعب بن اسد نے غصہ اور پریشانی کے عالم میں کہا: تم میں سے ایک آدمی ایسا نہیں ہے، جس نے ماں کی کوکھ سے جنم لینے کے بعد آج تک کبھی عقل و ہوش سے کام لیا ہو۔

یہود چاہتے تو کافی طویل عرصے تک اس حصار کو لے جا سکتے تھے، کیوں کہ ان کے پاس کھانے پینے کا وافر سامان موجود تھا، ان کے پاس کنویں تھے، وہ محفوظ قلعوں میں تھے، اور مسلمان شدید سردی اور سخت بھوک سے دو چار تھے، اور ان کے پاس سر ڈھانکنے کے لیے کوئی چھت بھی نہیں تھی، اس کے علاوہ کافی تکان سے بھی دو چار تھے، احزاب کے معرکہ کے لیے پہلے ہی سے وہ کافی سخت جد و جہد کر رہے تھے، تاہم قریظہ کا معاملہ ان کے اعصاب سے تعلق رکھتا تھا، اللہ نے ان کے دل میں رعب ڈال دیا تھا، ان کے حوصلے پست ہو رہے تھے، ان کے حوصلوں کی پستی کا یہ عالم تھا کہ علی بن ابی طالبؓ اور زبیر بن العوامؓ نے آگے بڑھ کر ان کو للکارا کہ: اے ایمانی دستوں، خدا کی قسم آج میں وہی چکھوں گا جو حمزہؓ نے چکھا تھا یا پھر میں قلعہ فتح کر ڈالوں گا۔

جب انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تسلیم کر لیا تو آپ نے سعد بن معاذ کو منتخب کیا، انہوں نے فیصلہ سنایا کہ: مردوں کو قتل کر دیا جائے، اولاد کو قید کر لیا جائے، مال و دولت تقسیم کر دیئے جائیں، اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ تم نے اللہ کی مرضی کے مطابق

فیصلہ کیا ہے، یقیناً سات آسمانوں کی بلندی سے رب کا بھی یہی فیصلہ ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر بنو قریظہ کو قبیلہ بنی نجار کی ایک عورت بنت حارث کے گھر میں بند کر دیا گیا، اس کے بعد مدینہ کے بازار میں ان کے لیے گڑھے کھودے گئے اور ان کو وہیں جوق در جوق لایا گیا اور ان کے سر قلم کر دیئے گئے، باقی ماندہ لوگوں نے جو ابھی قید میں تھے، کعب بن اسد سے کہا: دیکھ رہے ہو کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ اس پر انہوں نے کہا کہ کسی بھی جگہ تم لوگوں کی عقل کام نہیں کرتی؟ تم دیکھتے نہیں کہ کوئی آہ و بکا نہیں سنی جا رہی ہے اور جو لوگ یہاں سے لے جائے جا رہے ہیں وہ واپس نہیں آ رہے ہیں؟ قسم باخدا ان کو قتل کیا جا رہا ہے، وہ چھ سو سے سات سو کے درمیان تھے، ان سب کی گردنیں ماردی گئیں۔

۴۔غزوہ خیبر کے اسباب اور واقعات:

مولانا مبارکپوریؒ غزوۂ خیبر کے اسباب سے متعلق لکھتے ہیں: خیبر مکر و فریب اور سازشوں کا مرکز تھا، وہاں اشتعال انگیزی تھی، وہ فتنہ و فساد کی آماجگاہ تھا، اس کی جانب تو سب سے پہلے رخ کرنا چاہئے تھا، خیبر کے بارے میں یہ سب کچھ یوں ہی نہیں کہا گیا، بلکہ ان کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے کہ وہی لوگ تھے جنہوں نے احزاب کو مدینہ کے خلاف بھڑکایا تھا، بنو قریظہ کو عہد شکنی پر انہیں نے آمادہ کیا تھا، یہی لوگ تھے جنہوں نے منافقین کو خوب قریب کر رکھا تھا، وہ خود بھی جنگ کی تیاری میں تھے، اس طرح انہوں نے مسلمانوں کو مختلف مصائب اور مشکلات سے دو چار کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کے لیے بھی انہوں نے ایک منصوبہ تیار کیا تھا، چنانچہ مسلمان یہ سب دیکھ کر مجبوراً ان کے اوپر وار کرنے لگے، ان کے مختلف سرداروں کو نشانہ بنایا، لیکن مسلمانوں کے اوپر ان کے سلسلہ میں اس سے بڑھ کر ایک قدم اٹھانا ضروری تھا، وہ یہ کہ ان پر لشکر کشی کر کے ان کو ایک سبق سکھایا جائے۔(الرحیق المختوم: غزوۂ خیبر: ۲۸۲ تا ۲۸۷)

یہود خیبر سے جنگ کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب تیاریاں کر لی تھیں، لیکن

جلد ہی منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی سامنے آگیا اوران سے کہہ ڈالا کہ محمد تمہاری جانب کوچ کا ارادہ رکھتے ہیں، ہوشیار ہوجاؤ، ان کا خوف نہ کھانا، تمہاری تعداد اور تمہاری تیاریاں دونوں کافی ہیں، محمد کے ساتھ مٹھی بھرلوگ ہیں، ان کے پاس ہتھیار بھی تھوڑے سے ہیں۔ (الرحیق المختوم) بس کیا تھا، یہود نے قلعے مضبوط کرنے شروع کردیئے، معاہدے کرنے لگ گئے، غطفان سے معاہدہ کیا کہ اگرانہوں نے ان کی مدد کی تو فتح کی صورت میں نصف پیداوارتمہاری ہوگی، صحیح بات تو یہ ہے کہ اس غزوہ کے اندر کچھ استثنائی چیزیں بھی ہیں، اس طور پر کہ وہ جنگ کے لیے میدان میں آگئے، تاہم بعد میں گھٹنے ٹیک دیئے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے پر راضی ہوگئے، پوری زمین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کردی کہ اب وہ جیسا چاہیں ان کے متعلق فیصلہ سنا دیں، اس طرح وہ اپنی اصلیت پر آگئے، جس طرح انہوں نے پچھلے تین غزوات میں کیا تھا، چنانچہ اول وہلہ میں قلعہ کے اندر محصور ہوکر انہوں نے جنگ کی اور دوسرے موقع میں معرکہ ہی نہیں ہوا، آخر کار اپنی عادت کے مطابق ایک مرتبہ پھرانہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے، ابن ابی الحقیق نے رسول کے پاس کہلا بھیجا کہ جنگ کا خاتمہ کیا جاتا ہے، آجایئے، میں آپ سے بات کرنا چاہتاہوں؟ مصالحت اس بات پر ہوئی کہ جو جنگجو ہیں ان کی گردنیں ماردی جائیں، ان کے آل واولاد کو چھوڑ دیا جائے، وہ اپنے بال بچوں کو لے کر خیبر اور اس سرزمین سے کوچ کر جائیں گے، ان کے پاس جو بھی مال ودولت، سونا چاندی، ہتھیار اور زرہیں موجود ہیں سب چھوڑ کر جائیں گے، ان کے ساتھ صرف وہ لباس ہوگا جو وہ زیب تن کیے ہوئے ہوں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا: اللہ اور اس کے رسول بری الذمہ ہیں اگر تم نے مجھ سے کوئی چیز چھپائی ہوگی، اس طرح انہوں نے صلح کرلی، اس مصالحت کے بعد قلعے مسلمانوں کے حوالے کردیئے گئے، لیکن انہوں نے ارض خیبر میں مدفونہ مال کی نشاندہی کے سلسلہ میں کافی غلط بیانی اور فریب دہی سے کام لیا، اور اس فریب اور خیانت کے نتیجے میں سلام بن ابی الحقیق کو اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا، اس طرح خیبر فتح ہوا اوران کے سارے مال ودولت مسلمانوں کے ہاتھ آگئے۔

اس منہج کا فہم اور دعوتی وتربیتی اسباق:

ان آیات قرآنی اور غزوات نبوی کی روشنی میں ہم دیگر لوگوں کے ساتھ یہود کے تعلقات سے متعلق کچھ بنیادی نکات بیان کر سکتے ہیں، ان میں سے بعض اہم ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

ا۔ یہود ہمیشہ سے آلات حرب اور مظبوط قلعوں، مختلف خطرناک اسلحہ جات اور زبردست وسائل کے لیے بڑھ چڑھ کر خرچ کرتے رہے ہیں، صہیونی حکومت کی وزارت دفاع کا کل خرچ ۲۰۰۹ء کے مطابق 13.3 ارب ڈالر ہیں۔(وکی پیڈیا) البتہ ان کو بہت زیادہ اور شدید احساس ہے کہ ان کی یہ تمام تیاریاں مومنین یا عام انسانوں بلکہ اللہ تعالی سے ان کے دفاع کے لیے کافی نہیں ہیں، جیسا کہ آیت میں کہا گیا: وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ. (الحشر: ۲)، ہم نے دیکھا کہ یہود کے چاروں ہی قبائل (بنی قینقاع، قریظہ، خیبر اور نضیر) کے پاس قلعے تھے، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بھی قلعہ نہ تو فتح مکہ کے موقع سے تھا، نہ موتہ کے موقع سے اور نہ ہی دیگر معرکوں کے موقع سے، کیونکہ جو اصل عربی ہوتا ہے، وہ اس بات کے لیے آمادہ ہو ہی نہیں سکتا کہ قلعہ میں پناہ لے، اور اندر گھس بیٹھے اس امید سے کہ بہادر شہسواروں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، آج بھی ان یہودیوں کی وہی حالت ہے، وہ ایک آہنی دیوار کی تعمیر کر رہے ہیں، جس میں انہوں نے اربوں ڈالر خرچ کر ڈالے، بتاتے ہیں کہ اس کی لمبائی ۵۰۰ مربع کلو میٹر ہے، اور توقع کی جا رہی ہے کہ تعمیر کے بعد وہ ۷۰۳ رکلومیٹر طویل ہو جائے گی، اس کی اونچائی ۹ رمیٹر سے بھی زائد ہے، جبکہ ۹ رجولائی ۲۰۰۴ء کو بین الاقوامی عدالت کی جانب سے یہ فیصلہ آ گیا تھا کہ اس دیوار کی تعمیر ایک غیر قانونی عمل ہے لیکن اس کے باوجود اسرائیل نے اس کی تعمیر پر اصرار کیا، ان کی حالت بالکل وہی ہے جو مدینہ اور خیبر کے یہود کی حالت تھی۔(وکی پیڈیا، اسرائیل کی آہنی دیوار: http://ar.wikipedia.org)، اس سلسلہ میں مجمع البحوث الاسلامیہ جامعہ ازہر کی جانب سے اس دیوار کی تعمیر کے جواز پر ایک فتوی آیا تھا، میں نے اس فتوی کی سخت تردید کی تھی، میری کتاب کا نام ہے، الازہر بین الجدار والعار، ۲۰۱۰ء میں اس کی

اشاعت ہوئی، اس میں ایک فوری ضرورت سے متعلق بیان دیا گیا ہے، اس میں اس دیوار سے متعلق فتوی کا علمی اور فقہی نوعیت سے تجزیہ کیا گیا ہے، اس فتوی کو فنی اور موضوعی ہر دو طرح سے رد کیا گیا ہے، اس فتوی میں کہا گیا ہے کہ اس دیوار کے سبب اہل غزہ کے انسانی، اسلامی نیز عربی حقوق سلب ہوتے ہیں، اسی طرح حق جوار اور اضطرار کی حالت کے شکار لوگوں کے تعاون کے بھی برخلاف ہے، جس کے نتیجے میں یہ دیوار قتل عمد کے مانند ہو جاتی ہے۔)

یہ تو بس ایک فولادی دیوار ہے، انہوں نے بلند بلند قلعوں کی تعمیر پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ وہ زیر زمین قلعوں کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں، حکومت مصر کے ساتھ اس بات کا معاہدہ ہوا ہے کہ دس کلومیٹر طویل اور سطح زمین سے ۲۰ رتا ۳۰ رمیٹر گہری ایک فولادی دیوار تعمیر کی جائے گی، مجھے اس بات کا یقین ہے کہ اگر ایک مومن کا ایمان صحیح ہے تو اس کے لیے ماضی کی بار بار کی شکست، مال غنیمت اور دشمن کی ہزیمت کے سلسلہ میں لمحہ بھر کے لیے شک کرنا جائز نہیں ہے، عنقریب وہ وقت آئے گا جب ان کے تمام قلعہ جہاں کہیں بھی ہوں گے مسلمانوں کے ہاتھ نیست و نابود ہو جائیں گے اور مسلمان ان کے اوپر غالب آ جائیں گے، اور اللہ تعالی کی سنت دہرائی جائے گی:

هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِن دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنتُمْ أَن يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُم مَّانِعَتُهُمْ حُصُونُهُم مِّنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَار. (الحشر: ۲) (وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو حشر اول کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچا لیں گے مگر اللہ نے ان کو وہاں سے آ لیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے (بصیرت کی) آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو۔)

میں نے اس سے پہلے لکھا ہے کہ اس کے لیے پہلی چیز جو مطلوب ہے وہ یہ کہ ہم معاملات کو

ان کے مثل پر قیاس کریں، یقین رکھیں کہ یہود اپنے مضبوط قلعوں کے باوجود اللہ کی مشیت سے بار بار کی شکست کا سامنا کریں گے۔

۲۔ یہود کی یہ عادت بن گئی ہے کہ وہ عہد شکنی اور غداری کرتے رہتے ہیں، فرمان الٰہی ہے:

الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ۔ (الانفال:٥٦) (جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد کیا ہے پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔)، اسی طرح فرمایا گیا: أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔ (البقرہ:١٠٠) (ان لوگوں نے جب جب (اللہ سے) پختہ وعدہ کیا تو اُن میں سے ایک فریق نے اُس کو (کسی چیز کی طرح) پھینک دیا حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر بے ایمان ہیں۔)

ان کے دلوں کے اندر پوشیدہ اندھی خواہشات، ان کے ہتھیار او، بیرونی قلعے ان کو عہد شکنی اور خیانت پر آمادہ کرتے رہتے ہیں، ہم نے دیکھا کہ بنی قینقاع کے یہود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے کے باوجود ان کو جنگ کی دھمکی دے کر عہد شکنی کرتے ہیں اور ایک مسلم عورت کو رسوا کن طریقے سے بازار میں برہنہ کر دیتے ہیں، بنی نضیر کے یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ قتل کر دینے کی سازش رچتے ہیں، یہود بنی قریظہ سے عہد ہوا کہ جنوب کی جانب سے مدینہ کی حفاظت کریں گے تاہم انہوں نے قریش، غطفان اور ان تمام احزاب کے لیے راستہ کھول دیا جو مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے ارادے سے آئے تھے، انہوں نے انتہائی سخت حالات میں عہد شکنی اور خیانت کی تھی، قرآن کہتا ہے:

إِذْ جَاؤُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا۔ (الاحزاب:١٠) (جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔)

یہود خیبر نے تو کئی ایک بار خیانت کی تھی، انہیں نے احزاب کو مجتمع کیا تھا، انہیں نے مختلف

قبائل کو رسول کے خلاف محاذ آرائی کے لیے بھڑکایا تھا، انہیں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دے کر مارنے کی کوشش کی تھی، جب کہ حضرت بشر بن البراء بن معرور نامی صحابی اس حادثہ کا شکار ہو کر وفات پا گئے تھے، حیی بن اخطب نے مال چھپا کر خیانت کا مظاہرہ کیا، اور اسی خیانت کے سبب اس نے اپنی جان سے ہاتھ دھوڈالا، میں کہہ سکتا ہوں کہ مذاکرات کے لیے جو لوگ بہت آگے آگے بڑھ رہے ہیں، ان سے سچ سچ پوچھا جائے کہ صہیونیوں اور فلسطینی ریاست اور عرب مذاکرات کا نتیجہ کیا ہے تو وہ ایک ہی بات کہیں گے، صہیونیوں کے یہاں کسی عہد و پیمان کا کوئی لحاظ نہیں ہے، انہوں نے ایک وعدہ آج تک پورا نہیں کیا، انہوں نے ایک مرتبہ بھی اپنا عہد پورا نہیں کیا، اسی لیے اللہ تعالی نے ان کے لیے 'کلما' کا لفظ استعمال کیا ہے: أَوَ كُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْداً نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم بَلْ أَكْثَرُهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ۔ (البقرہ: ۱۰۰) (ان لوگوں نے جب جب (اللہ سے) پختہ وعدہ کیا تو اُن میں سے ایک فریق نے اُس کو (کسی چیز کی طرح) پھینک دیا حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر بے ایمان ہیں۔) کلما سے معلوم ہوتا ہے کہ جواب شرط جیسا ایک مرتبہ واقع ہوا ہے، متعدد بار اس کے اسی طرح واقع ہونے کے امکانات ہیں، سورہ انفال میں تو صاف کہہ دیا گیا کہ وہ ہر مرتبہ اپنے عہد توڑ ڈالتے ہیں، اس سے تاکید مراد ہے کہ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے کسی سے کوئی عہد کیا ہو اور اس کو پورا کر دکھایا ہو، ہم کو یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ قرآن میں آدم اور حوا کا قصہ بیان کرنے کے بعد جس امت کا ذکر ہوا ہے وہ بنی اسرائیل ہے، ان کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ عہد و میثاق کے پابند نہیں ہیں، فرمایا گیا:

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ۔ (البقرہ: ۴۰) (اے آلِ یعقوب! میرے وہ احسانات یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اُس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا، میں اُس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔)

۳۔ ان کے اطراف رہنے والے افراد ان سے ناراض رہتے ہیں، وہ اپنی طاقت کے نشے میں دوسری قوموں کو ذلیل سمجھنے لگتے ہیں، اور اپنی سرکشی اور لوٹ مار کا کام شروع کر دیتے ہیں، چنانچہ

لوگ تنگ آجاتے ہیں اور جب غصہ حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ غصہ اتار ڈالتے ہیں، اور ایک معرکہ گرم ہوجاتا ہے، اس معرکہ کے تعلق سے یہود کا تو یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ سب سے بھاری بھرکم لشکر رکھتے ہیں، ان کی قوت کے سامنے کوئی نہیں ٹک سکتا ہے، وہ اپنے دعووں اور ڈینگوں میں رہ جاتے ہیں کہ انجام کار انہیں کے ہاتھوں میں ہے، لیکن جب معرکہ گرم ہوتا ہے تو پسپا ہوکر رہ جاتے ہیں، اس کتاب کے آخر میں دو مضمون ضمیمہ میں پیش ہیں، میں نے ان دونوں میں بیان کیا ہے کہ صہیونی کس درجہ اپنے غیض وغضب کا اظہار کرتے ہیں ہر اس شخص کے لیے جس کے اندر کچھ انسانی جذبات، اسلامی اخلاق اور عربی غیرت وحمیت باقی ہے۔

۴۔ جب معرکہ گرم ہوتا ہے تو اپنے مضبوط اور خطرناک سے خطرناک ہتھیاروں کو وہ استعمال میں لے آتے ہیں، لیکن کچھ ہی وقت گزرتا ہے کہ پیچھے ہٹنے لگتے ہیں، کمزور پڑنے لگتے ہیں، اور امان طلب کرنے لگتے ہیں، تاکہ کسی طرح بچ بچا کر صحیح سالم نکل آئیں، اور ان کے جو بھی مال وجائداد ہوتے سب مومنین کے پاس مال غنیمت کے طور پر چھوڑ آتے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سارے قلعہ، ہتھیار اور غرور وگھمنڈ کے باوجود بنی قینقاع، نضیر اور قریظہ میں ان کی ایک تلوار بھی بے نیام نہ ہوسکی، ہر ایک معرکہ میں گھٹنے ٹیک دیئے، اپنی زمینیں اور گھر بار چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اور باقی چیزوں کو مومنین کی دشمنی میں اور زمین میں فساد انگیزی کرتے ہوئے تباہ کرگئے، بالکل یہی منظر ہم نے سیناء میں دیکھا تھا، مجبوراً وہاں سے نکلے اور اپنے گھر بار کو چھوڑنے سے پہلے ان میں خوب تباہی اور بربادی مچا گئے، غزہ سے بھی ان کا وہی حال ہوا کہ ذلیل اور نامراد لوٹے، اہل خیبر نے کچھ دیر معرکہ میں ثابت قدمی کا ثبوت دیا، کیونکہ ان میں ایسے بھی لوگ تھے جو یہودی سے پہلے عربی تھے، لیکن پہلے ہی مقابلے کے بعد انہوں نے بھی گھٹنے ٹیک دیئے، میں یقین کے ساتھ اس بات کو کہہ سکتا ہوں کہ ان قرآنی آیات، اور نبوی واقعات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ صہیونیوں کے ساتھ ہمارے معرکہ کا انجام بھی بالکل وہی ہوگا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تمام معرکوں کا ہوا تھا، کہ ناکام، نامراد اور اپنے پیچھے مسلمانوں کے لیے بہت کچھ سامان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اگر ان آیات کو افکار کی دنیا

سے نکال کر عقیدے کی دنیا میں لائیں اور اس کے مطابق منصوبہ بندی اور تیاری کریں، امت کو کوچ کے لیے آمادہ کریں تو وہ دن دور نہیں کہ جب صہیونی گھٹنے ٹیک دیں اور اپنا سارا مال و دولت مسلمانوں کے پاس چھوڑ بھاگیں۔

۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جتنے بھی معرکہ پیش آئے، ان میں ایک تیسرا گروہ ضرور شامل ہوتا تھا جس کا کردار سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا تھا، ان کا ذکر بھی سورہ الحشر میں آیا ہے، اور میں نے ''دشمن کی شناخت'' کے منہج میں اس کے بارے میں لکھا بھی ہے، تمام ہی غزوات میں منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی یہودیوں کا خدمت گزار بنا رہتا تھا، اور تمام ہی منافقین کو حرکت میں رکھتا تھا لیکن ہر دفعہ دو میں سے ایک معاملہ پیش آتا تھا، جن میں دونوں ہی تعجب خیز ہیں:

الف: منافق یہودیوں کو ثابت قدم رہنے کے لیے کہتے تھے، ان کو اپنی جانب سے مدد کا یقین دلاتے تھے کہ ان کے ساتھ میدان جنگ میں وہ بھی صف آرا ہوں گے، لیکن ایک بار بھی انہوں نے اپنے اس وعدے کو پورا نہیں کیا:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَداً أَبَداً وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ. لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِن قُوتِلُوا لَا يَنصُرُونَهُمْ وَلَئِن نَّصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ. (الحشر: ۱۱، ۱۲) (کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے جو اہلِ کتاب ہیں کہا کرتے ہیں کہ اگر تم جلاوطن کیے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے مگر اللہ ظاہر کیے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ اور اگر مدد کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کو (کہیں سے بھی) مدد نہ ملے گی۔)

ب: اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہود ان کی بات کی تصدیق کرتے تھے، ان کی بات مانتے تھے، جب کہ وہ بار بار دیکھ چکے تھے کہ وہ اپنے وعدے پر پورے نہیں اترتے! میرے خیال

سے اس کا بنیادی سبب وہ بزدلی کی حالت ہے جو ان کے اوپر چھائی رہتی ہے، چنانچہ وہ کسی بھی دھمکی کے ڈراوے میں آجاتے ہیں، کسی بھی گھاس پھوس سے امید لگا بیٹھتے ہیں، ان کی حالت یہ ہوتی ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتاً وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ۔ (العنکبوت:٤١) (جن لوگوں نے اللہ کے سوا (اوروں کو) کارساز بنا رکھا ہے ان کی مثال لکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک (طرح کا) گھر بناتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے کاش یہ (اس بات کو) جانتے۔)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شیطان دونوں کے سر سوار رہتا تھا، منافقین کو ابھارتا تھا، تو یہود کو غرور میں مبتلا رکھتا تھا، لیکن ان سب نے انجام کار کے طور پر سخت ہزیمت کا سامنا کیا، بری طرح فرار اختیار کر بیٹھے، اور سب کچھ مسلمانوں کے پاس مال غنیمت کے طور پر چھوڑ گئے، ان میں سے اکثر اس آیت کے مصداق تھے:

وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ. (الحشر:٦) (اور جو (مال) اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے (بغیر لڑائی بھڑائی کے) دلوایا ہے اس میں تمہارا کچھ حق نہیں کیونکہ اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔)

فصل پنجم

مال رؤساء کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے

اس آیت نے میرے ذہن میں معانی کا ایک طوفان برپا کردیا: مَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ. (الحشر:۷) (جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلوایا ہے وہ اللہ کے اور پیغمبر کے اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ جو لوگ تم میں دولتمند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔)

میرے ذہن میں اس آیت پر تدبر و تفکر کے نتیجہ میں جو معانی آئے، ان کے دو پہلو ہیں:

اول: سیاق سے الگ آیت کا مفہوم:

مال کی آمد و رفت سے متعلق آیت کے اندر ایک بہت ہی قیمتی اصول پایا جاتا ہے، دولت کمانا، خرچ کرنا، اس سے سرمایہ کاری کرنا، خرید و فروخت کرنا، ملکیت میں رکھنا، تجارت میں لگانا، ان سب امور میں کیا حلال ہیں اور کیا حرام ہیں، اس کے سلسلہ میں ایک ضروری مقصد اور ایک بنیادی اصول مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ تمام لوگوں کے لیے مال کا بہاؤ برقرار رہے، ایسا نہ ہو کہ سارا مال کسی مخصوص گروہ، قوم یا ملک میں گردش کرتا رہ جائے، ایسا نہ ہو کہ جزئی احکام گرچہ کہ وہ سب حلال

ہی کیوں نہ ہوں کسی معاشی بحران کا سبب بن جائیں کہ مال ایک مخصوص گروہ کے درمیان رہ جائے اور دوسرے اس سے محروم رہ جائیں۔ ہمارا یقین ہے کہ حلال چیزوں کو مسلم افراد، ادارے اور حکومتیں استعمال میں لائیں تو کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا ہے الا یہ کہ حکم کی ظاہری شکل سے اس کی روح کو الگ کر دیا گیا ہو، کیونکہ منظر اسی وقت مکمل ہوتا ہے جبکہ اس کے اندر روح پائی جاتی ہو، اگر اس کا خیال رکھا گیا تو پھر ایسا ممکن نہیں کہ ایک گروہ کے یہاں دولت کا انبار لگ جائے اور دوسرے لوگ اس سے محروم رہ جائیں۔

اس امر کی تفصیل میں جانے سے قبل یہ لازم ہے کہ ہم مال کے تبادلے سے متعلق تمام ہی شرعی احکام کی تفصیلات معلوم کرلیں، پھر اس سے مقاصد کا استنباط ہو، اہم نقوش واضح کیے جائیں، اور ان عام اصولوں کی تحدید ہو جائے جو جزئی احکام کے مجموعہ کو سامنے رکھ کر تیار کیے جاتے ہیں، اگر ہم نے ایسا کیا تو بہت سے اصولوں سے واقفیت ہوگی جن میں اہم ترین درج ذیل ہیں:

۱۔ مال اللہ کا مال ہے، انسان کی ملکیت اس پر اس طور سے ہے کہ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ بنایا گیا ہے، فرمان الٰہی ہے:

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ۔ (الحدید:۷) ((تو) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں اس نے تم کو (اپنا) نائب بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو۔)

خلیفہ اور نائب اپنے حاکم اعلیٰ کے اصولوں اور ضابطوں کے مطابق مال میں تصرف کرتا ہے، جس طرح سے ایک کمپنی کا ملازم اپنے مالک کی تعلیمات کے مطابق ہی کام کرتا ہے، اور اللہ تو سب سے بلند و برتر ہے۔

۲۔ مال فتنے کا باعث ہوتا ہے، فرمان الٰہی ہے:

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ (الانفال:۲۸) (اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے۔)

کمانے اور خرچ کرنے کے سلسلہ میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہر انسان سے قیامت کے دن یہ سوال کیا جائے گا کہ اس نے مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، منذری کی روایت ہے کہ معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن بندے کے قدم اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرلیا جائے، عمر کہاں کھپائی، جوانی کو کن کاموں میں گزارا، مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، علم حاصل کرکے اس نے کیا کام کیا۔

(الترغیب والترہیب للمنذری، رقم: ۱۰۱/۱، اس کی سند صحیح یا حسن یا پھر اسی جیسی ہے)

۳۔ مال سے استفادہ کی چار صورتیں ہیں:

(الف) کفاف: انسان کی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنا، اگر یہ ضرورتیں پوری نہ ہوں تو انسان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر کھانا، پینا، رہن سہن، مختلف پیش آمدہ ضروریات، مثلاً: مریض کا علاج کہ اگر علاج نہیں کیا گیا تو وہ ہلاک ہوجائے گا۔

(ب) کفایت: یہ وہ ضروریات ہیں کہ اگر ان کا انتظام نہ ہوسکا تو انسان کو کافی دشواریوں اور تنگیوں کا سامنا کرنا پڑے گا، مثال کے طور پر انسان دو انواع کا کھانا کھا رہا ہے، اس کے پاس ایک مناسب گھر ہے جو نہ تو بہت کشادہ ہے اور نہ ہی بہت تنگ، اسی طرح اس کی تنخواہ بھی اتنی ہے کہ اسے قرض لینے اور دن رات فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

(ت) خوشحالی: اس میں انسان کو کچھ تحسینی چیزیں بھی نصیب ہوجاتی ہیں، جن سے اس کی زندگی میں بہار آجاتی ہے، اس کا رہن سہن بہتر ہوجاتا ہے، اس کے لیے فضا معطر ہوجاتی ہے، سکون سے گزر بسر کرتا ہے، خرچ کے باوجود مصیبت اور تنگی کے اوقات کے لیے اس کے پاس وافر مقدار میں کھانے پینے کی اشیاء موجود ہوتی ہیں۔

(ث) فضول خرچی: انسان اس درجہ پر پہنچ کر فضول میں اپنا مال خرچ کرنے لگتا ہے، حد اعتدال سے تجاوز کرجاتا ہے، خوب اسراف اور فضول خرچی کرتا ہے، چیزوں کو جمع کرلینے، ان پر تسلط جمالینے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا رہتا ہے، اس لیے نہیں کہ اس کو زندگی کی خوشحالی کے لیے مال و دولت

کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ اس کے پاس تو کافی مال و دولت موجود ہے، وہ ایسا صرف اس لیے کرتا ہے تاکہ اپنے اس احساس کو تسکین دے لے کہ اس کے پاس ہر نئی چیز موجود ہے اور وہ کسی بھی چیز سے محروم نہیں ہے۔

اگر اول تین بعض شرائط کے ساتھ جائز ہیں تو چوتھی صورت تو قرآن کے قطعی نصوص کی روشنی میں حرام ہے، فرمان الٰہی ہے: وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ۔ (غافر:۴۳) (اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں۔) إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ۔ (الاسراء:۲۷) (کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں۔)

'رغد' کا لفظ خوشحالی کے معنی میں تین مرتبہ قرآن میں آیا ہے، اس میں دو حروف مفتوح ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکیزہ اور حلال چیزوں میں کتنی وسعت اور کشادگی پائی جاتی ہے، ان میں دو آیتیں سورہ بقرہ کی ہے:

۱) وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَداً حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الْظَّالِمِينَ۔ (البقرۃ:۳۵) (اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا نہیں تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس خوشحالی کے بارے میں بتایا ہے جو خوشحالی آدم اور حوا کو جنت میں میسر تھی۔

۲) وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُواْ هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُواْ مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَداً وَادْخُلُواْ الْبَابَ سُجَّداً وَقُولُواْ حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ۔ (البقرۃ:۵۸) (اور جب ہم نے (اُن سے) کہا کہ اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ (پیو) اور (دیکھو) دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا اور حِطَّةٌ (یعنی توبہ) کہنا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔) اللہ تعالیٰ اس آیت کے اندر خوشحالی کے اس درجہ کو بیان فرما رہا تھا، جس میں بنی اسرائیل گزر بسر کر رہے تھے، ان سے مطالبہ تھا کہ اللہ کا شکر ادا کریں لیکن

انہوں نے ان نعمتوں کا مذاق اڑایا اور ناشکری کر گئے۔

۳) وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ۔ (النحل:۱۱۲) (اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔) یہاں ایک الٰہی اصول بیان کر دیا گیا کہ ہر معاشرہ اور حکومت جس کو خوشحالی میسر آتی ہے، اور پھر اس کے افراد ناشکری اختیار کرتے ہیں تو ان کی یہ خوشحالی بھوک اور خوف میں تبدیل ہو جاتی ہے، ان کو نہ معنوی سکون نصیب ہوتا ہے اور نہ ہی مادی سکون۔

فضول خرچی کا لفظ قرآن مجید میں آٹھ مرتبہ آیا ہے، اور ہر جگہ ذلت اور گھٹیا پن کے معنی میں ہے، فرمان الٰہی ہے۔

وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ۔ (ھود:۱۱۶) (اور جو ظالم تھے وہ انہی باتوں کے پیچھے لگے رہے جن میں عیش و آرام تھا اور وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔)

اسی طرح ایک جگہ آیا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ۔ (سبا:۳۴) (اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے مست حال لوگوں نے کہا کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں۔)

فضول خرچی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنتی ہے، فرمان الٰہی ہے: وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا۔ (الاسراء:۱۶) (اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے پھر اُس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اُسے ہلاک کر ڈالا۔)

اسی طرح یہ فضول خرچی سخت عذاب کا باعث بنتی ہے، فرمان الٰہی ہے: حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ۔ (المومنون:۶۴) (یہاں تک کہ جب ہم نے ان میں سے

آسودہ حال لوگوں کو پکڑ لیا تو وہ اس وقت چلائیں گے۔)

۴۔ اسلام میں تحسینیات سے استفادہ کی شرائط میں یہ بھی ہے کہ انسان ضروریات اور حاجیات پر اکتفا کرلے، تا کہ کفاف اور کفایت کی حد تک انسان کو رسائی حاصل ہو جائے، ورنہ اگر ان دونوں سے انسان محروم رہا تو اس کا شمار فقراء اور مساکین میں ہوگا، جن کے لیے ایک متعین حق ہے۔

اللہ کی جانب سے کچھ صدقہ واجب کر دیا گیا ہے تا کہ ہم مذہب کی قید سے اوپر اٹھ کر تمام ہی انسانوں کو کفاف اور کفایت کی حد تک لے آئیں، اس کے بعد جبکہ اسے معلوم ہو گیا کہ اس کے اطراف میں رہنے اور بسنے والے افراد کفاف اور کفایت کی حد کو پہنچ گئے ہیں تو پھر انسان کو اس بات کی مکمل آزادی ہے کہ وہ پاکیزہ چیزوں سے لطف اندوز ہو، (اس سلسلہ میں میری ایک تفصیلی بحث ُسلطۃ ولی الامر فی فرض الضرائب المالیہ۔۔۔ دراسۃ فقہیہ مقارنہ، میں موجود ہے، اس کے دوسرے باب میں میں نے قرآن وسنت اور ۲۷/علماء کے اقوال کی روشنی میں لکھا ہے کہ تمام ہی نادار اور محتاج افراد کی کفالت لازمی ہے، خواہ اس کو مال زکوۃ سے کیا جائے یا پھر اس کے علاوہ دوسرے اموال سے۔) اس سلسلہ میں ہیثمی نے انس بن مالک کی ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کا مجھ پر ایمان نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھاتا ہے اور اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پڑوسی فاقہ کی حالت میں ہے۔ (مجمع الزوائد للہیثمی، ص: ۸/۱۷۰، بزار کی سند حسن درجہ کی ہے، فیض القدیر للمناوی، ۵/۴۰۷، رقم: ۷۷۱۷، منذری نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، البانی نے صحیح الجامع میں اس کو صحیح کہا ہے، رقم: ۵۵۰۵)

یہ ہے صحیح اسلامی نظام، اور بہترین منہج کہ جس کو اس زمین میں عام کیا جا سکتا ہے، جس زمین پر بے حسی عام ہے اور فاقہ کشوں، مریضوں اور بدحالوں کے دکھ درد کو محسوس نہیں کیا جاتا۔ میں بعض عالمی اعداد و شمار پیش کروں گا، جس سے معلوم ہوگا کہ مغربی نظام کے سایہ میں دنیا تباہی کے کس دہانے پر پہنچ گئی ہے، جہاں فقیر کے فقر میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، اور مالداروں کے مال میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، بلکہ جان بوجھ کر فقر کے حالات پیدا کیے جا رہے ہیں، (اس سلسلہ میں ایک اہم کتاب ُعولمۃ الفقر' ہے، جس کے مصنف میشیل تشوسودوفیسکی ہیں، اس کا ترجمہ محمد مستجیر مصطفیٰ نے کیا ہے، ماہانہ مجلۃ سطور،

القاہرہ، دوسرا ایڈیشن۔)

فاقہ کشی جان بوجھ کر بڑھائی جا رہی ہے، غرور کے شکار افراد غذائی اشیاء کو برباد کر رہے ہیں، موت کی خبریں سن کر ان کو تسلی حاصل ہوتی ہے، ذیل میں اہل ثروت کے درمیان مال و دولت کی گردش اور ٹھہراؤ کے نتائج کے سلسلہ میں کچھ مضبوط دلائل پیش ہیں:

اول: بین الاقوامی سطح پر مال و دولت کی اہل ثروت کے درمیان گردش:

یہاں ہم بیان کریں گے کہ مختلف ممالک کے درمیان دولت کے سلسلہ میں کتنا زبردست فرق پایا جاتا ہے، اور زندگی کے مختلف گوشوں پر اس کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں:

ا۔ بعض محتاط اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے، جیسا کہ ذیل کے جدول میں مذکور ہے، (http://www.globalissues.org/article/26/poverty-facts-and-stats) کہ غریب اور مالدار ممالک کے درمیان ۱۸۲۰ء میں 1:3 کا تناسب پایا جاتا تھا، مطلب یہ کہ تین غریب ممالک کے پاس جتنی دولت تھی اتنی ایک مالدار ملک کے پاس پائی جاتی تھی، ۱۹۹۲ء میں جب کہ گلوبلائزیشن کا دور شروع ہوا تو یہ تناسب اس درجہ تک پہنچ گیا کہ ۷۲/غریب ممالک کے پاس جتنی دولت ہے، اتنی ہی دولت ایک مالدار ملک کے پاس ہے، اور آج تو اس میں نہ جانے کہاں تک اضافہ ہو گیا ہے۔۔۔!

سال	غریب اور مالدار ممالک کا تناسب
1820	1:3
1913	1:11
1950	1:35
1973	1:44
1992	1:72

۲۔امریکی مصنف نوم چومسکی اسی پر زور دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''دوسری عالمی جنگ کے بعد سیاسی مفکر 'کیٹن' نے ۱۹۴۸ء میں ایک ڈائری لکھی تھی، اس میں اس نے یہ منصوبہ پیش کیا تھا کہ امریکہ جنگ کے بعد دنیا کی پچاس فیصد دولت کا مالک ہو جائے گا، اور ہم (امریکی) اس وقت دنیا کی آبادی کے کل 6.3% ہوں گے، چنانچہ ہر جانب سے ہمارے اوپر یلغار ہوگی، (ماالذی یریدہ حقیقۃ العم سام، نعوم چومسکی، ص:۸، مطبعۃ النجاح الجدیدۃ۔ الدار البیضاء، المغرب، پہلا ایڈیشن:۲۰۰۳ء اسی بات کو عبدالحی زلوم نے اپنی کتاب 'نذر العولمۃ' میں لکھا ہے، ص:۱۸۱ تا ۱۸۲)، چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم 'ایک عظیم میدان' تیار کریں (ماالذی یریدہ حقیقۃ العم سام، نوم چومسکی، ص:۱۱)، اور ہم اس کے اوپر اپنا تسلط اس طرح برقرار رکھ سکتے ہیں کہ ایک زبردست ایٹمی اور عسکری پروگرام شروع کیا جائے، اور نئی ٹیکنالوجی پروان چڑھائی جائے، تاکہ بنیادی طور سے جنگی ساز وسامان میں خوب ترقی حاصل ہو جائے، (ماالذی یریدہ حقیقۃ العم سام، نوم چومسکی، ص:۱۳)، نوم چومسکی لکھتا ہے کہ وزارت خارجہ اور وزارت مواصلات کی جانب سے مختلف ریسرچ کمیٹیاں بھی بنائی گئی تھیں، جنہوں نے بہت ہی محنت اور سنجیدگی سے اس 'عظیم میدان' کے اوپر کام کیا تھا، اور انہوں نے اس بات کی بھی نشاندہی کی تھی کہ کس طرح دیگر ممالک میں بھی اس منصوبہ کو روبہ عمل لایا جاسکتا ہے، سوویت یونین کو سیاسی اور معاشی طور پر توڑ دینے کی یہ پہلی منظم کوشش تھی، (ماالذی یریدہ حقیقۃ العم سام، نوم چومسکی، ص:۱۱ تا ۱۲)، چومسکی نے اس منصوبہ کی تنفیذ کی بہت سی عملی مثالیں بھی دی ہیں، جس کا مقصد تھا کہ سوویت یونین، یورپ اور بنیادی اشیاء کے مرکز یعنی مشرق وسطی پر تسلط حاصل کیا جائے۔

معلوم ہوا کہ ایک ملک جس کی آبادی عالمی آبادی کا محض 6.3 فیصد ہے، اس کا منصوبہ یہ ہے کہ پورے عالم کی نصف دولت پر تسلط حاصل کرلے، اس کو اندیشہ ہوا کہ ایسا کرنے پر غریب ممالک اس کے اوپر ٹوٹ پڑیں گے، چنانچہ اس کے لیے عسکری قوت بڑھانے کا منصوبہ بنایا گیا تاکہ ان غریب ممالک کو ڈرا دھمکا کر رکھا جائے کہ وہ اس ظالم ملک کو لوٹ کھسوٹ کرنے کی چھوٹ دے دیں۔

۳۔عولمۃ الفقر کے مصنف میشیل تشوسودوفیسکی نے اس بات کو خوب واضح انداز میں بیان کیا

ہے کہ امریکہ نے دنیا پر تسلط حاصل کرنے کے لیے کس طرح پورے عالم میں فقر و فاقہ کی صورتحال پیدا کی ہے، خواہ افریقہ ہو، جنوبی صحرا ہو، جنوبی ایشیا ہو، بنگلہ دیش، لاطینی امریکہ، سوویت یونین اور بلقان ہو، مصنف نے مختلف واقعات اور قابل اعتماد دستاویزات پیش کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ نے عالمی بینک، لبرلائزیشن، عالمی تجارت، اور اس طرح کے ہتھکنڈوں کو استعمال میں لاتے ہوئے کس طرح پورے عالم کو فقر و فاقہ کا شکار بنا دیا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک کا طویل مدتی قرض ۱۹۷۰ء میں ۶۲ ؍ارب ڈالر تھا، اور ۱۹۸۰ء میں اس میں سات گنا اضافہ درج کیا گیا، اس طرح ۴۸۰ ؍ارب ڈالر تک پہنچ گیا، ۱۹۹۶ء میں اس کے اندر بتیس گنا اضافہ ہوا، اور دو ہزار ارب ڈالر تک پہنچ گیا، یقیناً اس میں اس وقت اور بھی بہت اضافہ ہو گیا ہوگا۔ آج یہ ممالک قرض کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہیں، چنانچہ ان کے اوپر عالمی بینک اور عالمی تجارتی منڈی کی جانب سے دباؤ بنایا جا رہا ہے کہ اپنی معاشی پالیسی دوبارہ تشکیل دیں، اور بین الاقوامی سرمایہ داروں کے مفادات کے مطابق کچھ شروط بھی قبول کریں۔۔۔۔، اس کے بعد بین الاقوامی معیشت نے قرض واپس لینے شروع کر دیئے، جس سے بے روزگاری میں مزید اضافہ ہوا، اور معاشی سرگرمیاں کافی متاثر ہوگئیں۔ (عولمۃ الفقر: ۴۰، ۴۱)

مصر جیسے ممالک کا یہ حال ہے کہ آج جو سودی قرض اور قسطیں وہ ادا کر رہے ہیں، وہ ان تمام ملازمین کی تنخواہ کا تین گنا زیادہ ہیں جو اوپر سے نیچے تک کے ملازمین کو دی جاتی ہیں، اگر یہ قرض نہ ہوتے تو آج تنخواہوں میں تین سو فیصد کا اضافہ کیا جا سکتا تھا، اس قسم کی مثالیں بھری پڑی ہیں!

۴۔ فخ العولمۃ نامی ایک کتاب جو ہانس مارٹین نے مرتب کی ہے، اس کے اندر اس کتاب کے مصنفین نے بہت ہی محتاط اعداد و شمار، گہرے تجزیے کے ساتھ اور چار سو صفحات پر مشتمل مختلف صورتیں پیش کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح فقر و فاقہ کے حالات پیدا کیے جا رہے ہیں تا کہ سارا مال و دولت بڑے ممالک کے خزانوں میں چلا جائے، مختلف فصلوں کے عناوین پیش کیے جا رہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح بڑے ممالک کی جانب سے مال و دولت پر تسلط جمانے کے لیے دیگر ممالک کے ساتھ ناروا سلوک کیے جا رہے ہیں:

الف: ایک مالدار اور چار فقراء کا سماج

ب: بھیڑیوں کی شریعت

ج: جرم یا نا کردہ جرم کی سزا

نئے عالمی نظام میں صورتحال یہ ہے کہ پانچ ممالک اس وقت پورے عالم کا نظام چلا رہے ہیں، معیشت، سیاست، میڈیا اور سماج پر انہیں کا تسلط ہے، ان ممالک کی ایک معمولی سی کمپنی کا بجٹ اتنا ہوتا ہے کہ تیسری دنیا کے متعدد ممالک کا کل بجٹ بھی اتنا نہیں ہوتا ہے۔

پسماندہ ممالک کو تیسری دنیا کے ممالک کا نام دینا بھی ایک تعجب خیز معاملہ ہے، اس خلل کے نتیجہ میں معیار کا معاملہ کافی گڈمڈ ہوگیا، اقدار میں کافی انحطاط آگیا، کسی بھی ملک کے لیے اب کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری شکل اختیار کرے، مسئلہ یہ ہے کہ پھر یہ ممالک کدھر جائیں گے؟ اس عالم کی جانب کہ جہاں ارب اور کھرب ڈالر والے ممالک ہیں یا پھر ان ممالک کی جانب جو قرض اور امداد وغیرہ پر گزر بسر کر رہے ہیں؟!

شائد ایٹمی معاملہ اس کی سب سے شاندار مثال ہے کہ صہیونی غاصبوں کو اس بات کی کھلی چھوٹ دے دی گئی کہ وہ جیسے چاہیں بغیر کسی روک ٹوک کے ایٹمی اسلحہ تیار کریں، لیکن اگر کسی بھی مسلم ملک نے اس کے بارے میں سوچنا شروع کیا، یا دفاعی اسکیم کے تحت کوئی ایٹمی منصوبہ تیار کیا تو فوراً ہی پورے مغرب میں کھلبلی مچ جاتی ہے، دھمکیاں دی جاتی ہیں، اور برے انجام سے ڈرایا جاتا ہے!!

اسی بات سے امریکی صدر ابراہم لنکن نے خبردار کیا تھا کہ: کمپنیاں خوب ترقی کر رہی ہیں، اس کے بعد ایک ایسا دور آئے گا کہ جب اونچے اونچے مراتب کے لیے فتنہ وفساد شروع ہو جائے گا، اس کے بعد مال ودولت کو ان کمپنیوں کے مالکان کے ہاتھ دے دیا جائے گا خواہ اس کے لیے دوسروں کے حقوق پامال کرنے پڑیں، یا پھر ان کو تباہ کر دینا پڑے۔ (عولمۃ الفقر، ص: ۴۵، اس کتاب کے مختلف ابواب کا مطالعہ کرنے کے بعد انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ امریکی نظام نے کس طرح مختلف ممالک کے ساتھ ظلم وجارحیت کا کھیل کھیلا ہے، اس کو میں نے تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب 'مخاطر

العولمۃ علی الاسرۃ' میں بیان کیا ہے، اوراسی طرح ایک کتاب ہے' من عولمۃ السوق الی تسویق العولمۃ' عبداللہ عثمان عبداللہ کی، جودارالکتاب الجدیدہ المتحدہ للنشر سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی ہے، اسی طرح ایک کتاب ہے' العولمۃ: مقدمۃ فی فکر واقتصاد وادارۃ' ہے ڈاکٹر الخضیری کی، اور الکذبات العشر للعولمۃ ہے جیرالڈ بوکسبر کی جس کا ترجمہ ڈاکٹر عدنان سلیمان نے کیا ہے، الھوایات القاتلۃ ہے امین معلوف کی، سادۃ العالم الجدید ہے جارہ برنلس کی، نذر العولمۃ ہے عبدالحی یحیی کی اوراس کے علاوہ بھی اس موضوع پر متعدد کتابیں ہیں۔)

ممالک کے درمیان اس بھیانک فرق کا نتیجہ ہے کہ ساری دولت مالدار ممالک کے درمیان گردش کررہی ہے اورغریب ممالک اس سے یکسر محروم ہیں، گلوبلائزیشن نے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے پورے عالم کو ایک ایسی ظالم دنیا سے وابستہ کررکھا ہے کہ جس میں نہ تو اللہ کو اس زمین کا خدا تسلیم کیا جاتا ہے اور نہ ہی عیسی بن مریم کو، بلکہ اس وقت ڈالر اس دنیا کا خدا بنا بیٹھا ہے کہ ساری دنیا کی معیشت اسی سے جڑی ہوئی ہے، امریکہ نے اس چیز کو پورے عالم کے سرتھوپ رکھا ہے، خواہ وہ کمیونسٹ ممالک ہوں یا سوشلسٹ ممالک، سب کو مجبور کردیا گیا ہے کہ وہ عالمی بینک، عالمی تجارتی منڈی اوردیگر معاہدات کے مطابق اپنی معاشی پالیسیاں ترتیب دیں۔ان سب کے پیچھے بس ایک مقصد ہے وہ یہ کہ مغرب کے آزادانہ معاشی ماڈل کا گلوبلائزیشن کیا جائے، جس سے ملٹی نیشنل کمپنیوں کے مالکان کو مزید اس بات کا موقع مل جائے کہ وہ کسی بھی ملک کی معیشت کے ساتھ کھلواڑ کرسکیں۔ ڈالرس، ملٹی نیشنل کمپنیوں اور معاشی نظام کے ذریعہ ملک کے سربراہوں اوراہل اقتدار کو بے بس کرکے رکھ دیا گیا ہے۔ حالت یہ ہوگئی کہ جارج سورس نامی ایک یہودی ارب پتی نے تنہا متعدد ایشیائی ممالک کو مصیبت میں ڈال دیا، انڈونیشیا جیسے سب سے بڑے مسلم ملک کو ۱۹۹۴ء میں مکمل طور سے اقتصادی بحران کا شکار بنادیا۔

دوم: افراد کی سطح پر:

جب ممالک کے درمیان اس قدر بڑا فرق پایا جاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ مختلف افراد

کے درمیان بھی یہ فرق موجود ہو، ذیل کے اعداد وشمار میں اس کے سلسلہ میں کچھ قطعی دلائل پیش ہیں:

۱۔ اکیسویں صدی کے انسانوں میں ایک ارب کے قریب ایسے لوگ ہیں جو پڑھنا لکھنا نہیں جانتے، وہ اپنے ہاتھ سے دستخط بھی نہیں کر سکتے۔

(http://www.globalissues.org/article/26/poverty-facts-and-stats)

۲۔ 'دی ٹائمز' کے مارچ ۲۰۰۵ء کے شمارہ میں ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس کا عنوان ہے: 'دنیا میں فقر کا خاتمہ'۔ اس میں اس نے بتایا تھا کہ دنیا میں بارہ ہزار لاکھ لوگ یعنی دنیا کی آبادی کا چھٹا حصہ ایسا ہے جس کی کل آمدنی ایک ڈالر یومیہ سے بھی کم ہے، اگر امریکہ نے پورے عالم کے فقر وفاقہ کو ختم کرنے کی ٹھان لی تو اس کو زیادہ سے زیادہ ہر سو ڈالر میں سے ایک سینٹ خرچ کرنے پڑیں گے! یہ امریکہ کا کل وزارت دفاع کا بجٹ ہے جو اس وقت ۶۶۰/ارب ڈالر سے متجاوز ہے۔

۳۔ دنیا کی نصف سے زائد آبادی یعنی تقریبا تین ارب لوگوں کا یہ حال ہے کہ ان کی یومیہ آمدنی دو ڈالر سے بھی کم ہے، اور چالیس فیصد عالمی آبادی محض پانچ فیصد عالمی دولت پر گزر بسر کر رہی ہے، جبکہ بیس فیصد مالدار افراد ۷۵/فیصد عالمی دولت پر راج کر رہے ہیں۔

۴۔ بے گھر کمسن بچے جو فٹ پاتھ پر زندگی گزار دیتے ہیں، جن کے پاس سخت گرمی اور سخت سردی کے لیے کوئی انتظام نہیں ہوتا، ان کی تعلیم کے لیے کسی مدرسے کا انتظام نہیں ہے، اس کے سلسلہ میں ذیل کے جدول میں کچھ حقائق پیش ہیں:

ملیون (دس لاکھ) کے اعتبار سے بے گھر بچے

دنیا بھر میں	100-150
لاطینی امریکہ میں	40
افریقہ	10
مشرقی اور مغربی یوروپ	25

ایشیا	25
ہندوستان	18
فلپائن	1.5
پاکستان	1.5
مصر	1.5

۵۔اعداد و شمار اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ صرف ترقی پذیر ممالک میں 1.9/ارب بچے ہیں، جن میں چھیالیس کروڑ بچے مکانات سے محروم، چالیس کروڑ بچے صاف پینے کے پانی سے محروم، ستائیس کروڑ بچے ایسے ہیں جن کے پاس غذا اور صحت کا مناسب انتظام نہیں ہے۔ان بچوں کو اپنی تعلیم کے لیے محض ۶/ارب ڈالر درکار ہیں، صاف پانی کے لیے ۹/ارب ڈالر، اور بچوں نیز ان کی ماؤں کی صحت اور علاج کے لیے تقریباً پچیس ارب ڈالر۔

(http://www.globalissues.org/article/26/poverty-facts-and-stats)

(معلوم ہونا چاہئے کہ ابھی مصر کے حکمراں حسنی مبارک کے سلسلہ میں رپورٹ آئی تھی کہ اس کی جائداد ستر ارب ڈالر ہے، اور یہ اس جائداد کے علاوہ ہے جو ہوٹلوں اور عمارتوں کی شکل میں مصر کے مختلف مقامات پر موجود ہیں۔مترجم)

۶۔فقر، جہالت اور امراض کی اس خطرناک صورتحال کے نتیجے میں بہت سی دردناک اموات بھی ہوئی ہیں، خاص طور سے کمسن بچوں کی وفات کے واقعات ہیں، عموماً انہیں کمسن بچوں ہی کے ساتھ سب سے زیادہ ظالمانہ حرکتیں کی جاتی ہیں، ان کو کفاف یا کفایت کی زندگی گزارنے کے حق سے بھی محروم رکھا جاتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ بچوں اور بڑوں کے درمیان اموات کی تعداد کے تناسب میں جس قدر اضافہ ہو رہا ہے، اس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ذیل میں جو اعداد و شمار (ویکی پیڈیا: المجاعۃ (فاقہ کشی) :http://en.wikipedia.org/wiki/starvation) دیئے

جارہے ہیں، وہ اکیسویں صدی کے اعداد وشمار ہیں، کوئی صدیوں پرانے نہیں ہیں!:

بھوک کے سبب ہونے والی اموات (نوجوان)

تعداد	مدت
ایک شخص	ہر ایک سیکنڈ میں
چار ہزار لوگ	ہر گھنٹے میں
دس ہزار لوگ	ہر دن
تین کروڑ ساٹھ لاکھ	ہر سال

بھوک کے سبب ہونے والی اموات (بچے)

تعداد	مدت
ایک بچہ	ہر پانچ سیکنڈ
۷۰۰ر بچے	ہر گھنٹے
۱۶ر ہزار بچے	ہر دن
۶۰ر لاکھ	ہر سال

اوپر جو اعداد وشمار دیئے گئے ہیں وہ اس صدی کی ابتدا سے ۲۰۰۸ء تک کے ہیں، (http://en.wikipedia.org/wiki/starvation) حالانکہ عالمی معاشی بحران کے بعد تو حالات مزید سنگین ہوگئے ہیں، معاملہ کا بھیانک ترین پہلو یہ ہے کہ ۶۰ر فیصد اموات (بچوں اور بڑوں کی) کا سبب کمزور طبقے پر فاقہ کشی کا قہر ہے۔

۷۔ ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن (who) کی جانب سے پیش کردہ اعداد وشمار اہم بھی ہیں اور افسوسناک بھی: (http://www.wfp.org/hunger/stats)

الف:1.02 /ارب لوگوں کے پاس کھانے کے لیے بھرپور غذا اور کفاف کے درجہ کا سامان زیست بھی نہیں ہے، یہ تعداد ریاست ہائے متحدہ امریکہ، کناڈا اور یورپ کی کل آبادی سے بھی زیادہ ہے۔(رپورٹ who:۱۹/۶/۲۰۰۹ء)

ب: خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والوں کی تعداد ۲۰۰۷ء میں سات کروڑ پچاس لاکھ سے متجاوز تھی، اور قیمتوں میں اضافہ کے سبب ۲۰۰۸ء میں ۴/ کروڑ کا اضافہ ہوا۔ (رپورٹ who:۱۹/۶/۲۰۰۹ء)

ت: نوے کروڑ ستر لاکھ صرف ترقی پذیر ممالک میں فاقہ کشی کی مصیبت کا سامنا کررہے ہیں (رپورٹ who:۱۹/۶/۲۰۰۹ء)

ث: جنوب ومشرقی ایشیا میں آدھے سے زیادہ لوگ مطلب کہ ۳/ میں ۲/ لوگ فاقہ کا شکار ہیں۔(رپورٹ who:۱۹/۶/۲۰۰۹ء)

ج: ساٹھ فیصد سے زیادہ فاقہ کش خواتین ہیں۔(رپورٹ who:۱۹/۶/۲۰۰۹ء)

ح: ۶۵/ فیصد فاقہ کش افراد کا تعلق سات ممالک سے ہے: ہندوستان، چین، کانگو، بنگلا دیش، انڈونیشیا، پاکستان اور ایتھوپیا۔(رپورٹ who:۱۹/۶/۲۰۰۹ء)

خ: ۱۴/ کروڑ ساٹھ لاکھ بچوں میں ہر چار میں سے ایک بچہ اپنے طبعی وزن سے کم وزن رکھتا ہے۔(رپورٹ who:۱۹/۶/۲۰۰۹ء)

۸۔ایک جانب تو یہ صورتحال ہے، جبکہ دوسری جانب ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا بھر کے سرمایہ داروں کے اسراف، فضول خرچی اور غرور کا یہ عالم ہے کہ لگتا ہے ایک بہت بڑا خلا موجود ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب الگ الگ عالم میں جی رہے ہیں، جب کی ان کی اور ہماری سرحدیں ملی ہوئی ہیں، اور علم کے اس دور میں آپس میں تعلقات رکھنا اور ایک دوسرے کے بارے میں باخبر رہنا بھی آسان ہو گیا ہے، (نہ جانے کتنی مرتبہ مختلف پروگراموں اور سیمیناروں میں یہ بات سننے میں آئی کہ آج علم کا ایسا انقلاب آیا ہے کہ پورا عالم ایک چھوٹا سا گاؤں بن گیا ہے، لیکن یہ اس گاؤں کے اوپر کتنا بڑا ظلم ہے کہ

ہر کوئی دوسرے کے بارے میں جانتا ہے، پر کوئی مالدار کسی غریب کی کوئی مدد نہیں کر سکتا اور نہ کوئی بڑا اپنے چھوٹے کے ساتھ کوئی بھلائی کر سکتا ہے، میں ہمیشہ ان پروگراموں میں کہتا رہا ہوں کہ ہم دراصل ایک چھوٹے سے ہوٹل میں بیٹھے ہیں یا پھر ایک چھوٹے سے جنگل میں، جہاں کوئی دوسرے سے واقف نہیں ہوتا، مال و دولت انہیں لوگوں کے درمیان گردش کرتی رہ جاتی ہے جو مالدار افراد اور ممالک ہیں، اس تہذیب کا اصل رنگ قہر و استبداد ہے جو اپنی بدترین شکل اختیار کیے ہوئے ہے۔)

ذیل کے جدول میں کچھ اعداد و شمار ہیں، یہ اعداد و شمار خود ہی بتاتے ہیں کہ آج کے تہذیب و ثقافت کے دور میں انسان اپنے دعوی میں کہاں تک سچا ہے!

عالمی سطح پر اشیاء استعمال کی ترجیحات

اشیاء	ان کی قیمت (ارب ڈالر سالانہ)
پوری دنیا میں بناؤ سنگار کے سامان ۲۰۰۹ء	160
ریاستہائے متحدہ امریکہ میں آئس کریم ۲۰۰۰ء	20
شرق اوسط میں عطر و خوشبو ۲۰۰۱ء	5
ریاستہائے متحدہ کی چار بڑی کمپنیوں میں کتوں اور بلی کی غذا (عالمی بازار کا ۸۰ رفیصد ۲۰۰۷ء	45012
۲۰۰۲ء کے اشتہارات	446
۲۰۰۶ء میں ریاستہائے متحدہ میں سگریٹ کے اشتہارات	354.12
۲۰۰۷ء میں امریکہ کا الکحول	234.8
۲۰۰۷ء میں دنیا کی نشہ آور اشیاء	322
دنیا بھر میں ۲۰۰۸ء کے اسلحہ جات	1464

ہاں، ہم جنگل راج میں رہتے ہیں، جہاں دنیا کی نصف آبادی زندگی کی بنیادی ضروریات سے محروم ہے، اس کے پاس بنیادی کفاف بھی نہیں ہے، جبکہ اسی دنیا کی ایک عورت اپنے بناؤ سنگار اور خوشبو پر اتنا خرچ کرتی ہے جو پورے ایک گاؤں کے لیے کافی ہوتا ہے، ایک ایسی دنیا میں ہم رہتے ہیں جہاں ہر پانچ سیکنڈ کے بعد ایک بچہ موت کا شکار ہو جاتا ہے، کیا جس دنیا میں ہم جی رہے ہیں اس کے اندر ادنی درجہ کی بھی انسانیت پائی جاتی ہے، جبکہ امریکہ اور یورپ کے پالتو جانوروں پر وہاں کے اہل ثروت ۴۵/ارب ڈالر سے زائد خرچ کر ڈالتے ہیں، یہ اس خرچ سے زیادہ ہے جو ایک ارب آبادی کی تعلیم کے لیے ضروری ہے، جن کو کچھ بھی لکھنا پڑھنا نہیں آتا ہے، کروڑوں بے گھر افراد اس سے رہنے سہنے کے لیے مکان حاصل کر سکتے ہیں، ترقی پذیر ممالک میں پانی کی صفائی کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

رہی بات محرمات، جس میں شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء اور اباحیت کے سامان ہیں ان پر خرچ کیے جانے والے اموال کی مقدار تو آسمان چھو رہی ہے، لیکن اس سے بات کی شہادت ضرور ملتی ہے کہ اس تہذیب کا قد کس قدر چھوٹا ہے!

۹۔ دنیا بھر میں جہاں ۳۰/لاکھ ایسے افراد ہیں جن کو دو ڈالر یومیہ میسر نہیں ہیں، تو وہیں ایک مالدار شخص اتنی دولت کا مالک ہے جتنی کہ آدھی دنیا کی آمدنی نہیں ہے، ابھی جلد ہی دنیا کے مالدار ترین افراد کے ناموں، ان کی قومیت اور ان کے مال و دولت کے خوب چرچے ہو رہے تھے، کہ وہ دنیا کے مالدار ترین افراد ہیں، ذیل میں ایک جدول کے اندر ۲۰۰۷ء کے مطابق ان میں سے ابتدائی دس لوگوں کے نام اور ان کی دولت کا تذکرہ کیا جا رہا ہے:

نمبر	نام	دولت (ارب ڈالر)	ملک
۱	بل گیٹس	56	امریکہ
۲	وارن بافت	52	امریکہ
۳	عماد با سلاسل	49	سعودیہ

۴	لینغفار کیمبرڈ	33	سویڈن
۵	لکشمی متل	32	ہندوستان
۶	شیلڈن ایڈلسن	26.5	امریکہ
۷	برنارڈ ارنو	26	فرانس
۸	امانسیو اورتیاغ	24	اسپین
۹	لی کاشنگ	23	ہونگ کونگ
۱۰	ڈیوڈ ٹامسن کی فیملی	22	کناڈا

اوپر پورے عالم کے مالدار ترین دس افراد کے نام مذکور ہیں، اب ایک اعداد وشمار کے مطابق عرب دنیا کے مالدار ترین دس افراد کے نام پیش کیے جا رہے ہیں:

(http://www.arabianbuisiness.com/arabic/ar-richlist)

عربین بزنس کے اعداد وشمار کے مطابق ۲۰۰۹ء کے دس مالدار ترین عرب

نمبر	نام	ملک	دولت (ارب ڈالر)
۱	الولید بن طلال	سعودیہ	18
۲	محمد بن عیسی الجابر	سعودیہ	9.7
۳	ناصر الخرافی	کویت	9.4
۴	محمد العمودی	سعودیہ	8.8
۵	ناصر الرشید	سعودیہ	8
۶	عائلہ الغریر	امارات	7.1
۷	عائلہ بن لادن	سعودیہ	7.1

۸	عائلہ العلیان	سعودیہ	6.9
۹	عائلہ کانو	بحرین	6.1
۱۰	سعید خوری	فلسطین	6

کیا اس بات کی تصدیق ممکن ہے کہ ہم ایک ایسے عالم میں رہتے ہیں جہاں کچھ بھی توازن پایا جاتا ہے، ایک شخص جو اصلاً لبنانی ہے، اس کی دولت 53.3/ارب ڈالر پہنچ جاتی ہے محض ایک سال کے اندر جبکہ اس سے پہلے اس کی دولت صرف 18.5 ارب ڈالر تھی۔

اگر ہم دنیا بھر کے باقی سو مالدار ترین افراد کو دیکھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آخری شخص صمویل نیوہاوس کی دولت 7.3 ارب ڈالر ہے!

کہا جاتا ہے کہ دنیا بھر کے تمام ہی مسائل فقر و فاقہ، تعلیمی پسماندگی اور امراض کے خاتمہ کے لیے چالیس ارب ڈالر کی ضرورت ہے، اگر ہم دس مالدار ترین افراد کے ناموں کی لسٹ دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان میں ابتدائی تین افراد کے پاس جو دولت ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے، اور ان میں سے ایک کی دولت سے بہت کم میں ان مسائل کا حل ممکن ہے۔

۱۰۔ دنیا کے تین مالدار ترین افراد کی دولت دنیا کے ۴۸/غریب ترین ممالک کی کل پیداوار کے برابر ہے، اور دنیا کے دو سو مالدار ترین افراد کی دولت پورے عالم کے ۴۱/فیصد افراد کی آمدنی سے بڑھ کر ہے۔ (ارقام تحکی العالم، عمرو توفیق، پہلا ایڈیشن ۱۴۳۰ھ بمطابق ۲۰۰۹ء ص: ۷۷)

۱۱۔ اس تضادات سے بھری دنیا میں، جہاں بیشتر دولت چند اہل ثروت کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے اور باقی دنیا ڈالر کی حسرت میں پیچھے لگی رہتی ہے، اس دنیا کے اندر کھلاڑی ایک زبردست میڈیا ہنگامے کے دوران کافی بڑی بڑی تنخواہیں حاصل کیا کرتے ہیں، ایک نئی فہرست ذیل میں ان کھلاڑیوں کی پیش ہے جو فٹ بال میں مشہور ترین ہیں، (پرتگال کے ایک اخبار میں ۲۰۰۸ء تا ۲۰۰۹ء کے درمیان شائع ہوا تھا کہ فٹ بال فائنانس ان کھلاڑیوں کی ان تنخواہوں کے ساتھ میل نہیں

کھاتا، جو اتنی بڑی بڑی تنخواہیں حاصل کرتے ہیں، (http://www.nj.mlaeb.com/vb/t52549.html) اس کے بعد امریکی فائنگ باسکٹ (NBA) کے کھلاڑیوں کی ایک فہرست پیش کی جائے گی:

نمبر	کھلاڑی کا نام	ماہانہ تنخواہ (یورو)	سالانہ آمدنی
۱	ابراہیموفیتش (الانتر)	750000	9000000
۲	کاکا (میلان اٹلی)	750000	9000000
۳	میسی (برشلونہ)	700000	8400000
۴	تیری (تشیلسی انگلش)	631182	7574179
۵	لامبارد (شیلسی انگلش)	631182	7574179

فائنگ باسکٹ کھلاڑیوں کی فہرست: (http://www.cksu.com/vb/t173891)

نمبر	نام	تنخواہ (ڈالر)	سالانہ اکرامیہ	میزان
۱	لیبرون جیمس	12455000	28000000	40455000
۲	کوبی براینت	19490000	16000000	35490000
۳	شاکیل اونیل	20000000	15000000	35000000
۴	کیفن غارنیت	22000000	9000000	31000000
۵	الن الیفرسون	20109375	7000000	27109375

ایک طرف یہ بڑی بڑی تنخواہیں ہیں اور دوسری طرف ہر پانچ سیکنڈ پر ایک انسان کی موت ہے، ممکن ہے کہ جب ایک میچ ختم ہوگا، اس وقت تک دسیوں ہزار بچوں کی جانیں جاچکی ہوں گی، بین الاقوامی اولمپک کا ذکر کافی سننے میں آتا ہے، ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ بھوک، فقر و فاقہ، محرومی

اور امراض وغیرہ کے سبب موت کا شکار ہوتے ہیں جب کہ ان کے بارے میں کسی کو کچھ احساس بھی نہیں ہوتا! نہ ہی ٹی وی کے اسکرین پر ان کی تصاویر دکھائی جاتی ہیں، تا کہ کہیں یہ کھلاڑی اور لہو ولعب میں مشغول افراد پریشان ہوکر اپنے چیمبر میں واپس نہ چلے جائیں، یہ لوگ اپنے ضمیر کی آواز سننا بھی گوارہ نہیں کرتے ،انہوں نے اپنے ضمیر کو طلاق بائن دے رکھی ہے کہ جس کے بعد رجوع کی کوئی امید نہیں!

۱۲۔اس کتاب کی تیاری کے وقت ۲۰۱۰ء کا فٹ بال ورلڈ کپ جوہانسبرگ ،جنوبی افریقہ میں چل رہا ہے، اس کے اخراجات 3.7 ارب ڈالر ہیں، اس کے باوجود کہ افریقہ کے بیشتر ممالک کئی سالوں سے موسم کے قہر کا شکار ہیں، اور سیلاب اور بارش سے ان کی فصلیں تباہ ہو جارہی ہیں، (اس سلسلہ میں مزید معلومات کے لیے ضمیمہ ۴/اور ۵/کی جانب رجوع کریں) مثال کے طور پر صومالیہ ہے جہاں اٹھارہ سال سے ایک انسانی بحران پایا جاتا ہے، وہاں کی نصف آبادی تقریبا ۳۶/لاکھ افراد کو فوری امداد کی سخت ضرورت ہے، کیونکہ اس وقت ان کی جانوں کو خطرہ لاحق ہے، افریقہ کا جہاں تک معاملہ ہے تو وہاں ۸۰/کروڑ لوگ بھوک کی حالت میں نیند کی آغوش میں جانے کے لیے مجبور ہوتے ہیں، ۳۰/کروڑ ان میں بچے ہیں، کیا ان کے بارے وہ لوگ کچھ بھی جانتے ہی جو ان عالمی کھیلوں کے لیے لوگوں کو ترغیب دلاتے ہیں!!!

میں ان تلخ حقائق کا اختتام کچھ عجیب وغریب قسم کے تضادات کے بیان سے کروں گا، پورے عالم میں تعلیمی پسماندگی کے ازالے کے لیے ۶/ارب ڈالر سالانہ درکار ہیں، جب کہ یہ ان اخراجات کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں جو اسلحہ جات یا نشہ آور اشیاء کے سلسلہ میں کیے جاتے ہیں، ۲۰۰۷ء کی نشہ آور اشیاء سے متعلق رپورٹ جسے اقوام متحدہ کی ایک تنظیم نے تیار کیا ہے، اس نے لکھا ہے کہ اس سال نشہ آور اشیاء کی تجارت ۳۲۲/ارب ڈالر تک پہنچ گئی ہے، یہی اس کا سالانہ اوسط ہے، (المجتمع ،شمارہ نمبر:۱۷۸۴، ۳/محرم ۱۴۲۹ھ بمطابق ۱۲/۱/۲۰۰۸ء، ڈاکٹر احمد عیسی کا مضمون: الامم المتحدہ: تجارۃ المخدرات تعادل الناتج المحلی ل۹۰ فی المائۃ من دول العالم، ص:۲۸، ۲۹)، عراق میں امریکہ کے کل ماہانہ اخراجات ۲۰۰۷ء میں ۱۲/ارب ڈالر تھے۔(iraq war result and statistics as

(http://usliberals.about.com/od/homelandsecurit1/a/iraqnumbers.htm

صحیح بات تو یہ ہے کہ ۶ ارب ڈالر جہالت کے خاتمہ کی غرض سے بہت ہی معمولی رقم ہے، اس دنیا کے سامنے جہاں ایک ایک ہزار ارب روپے جنگی مقاصد کے تحت خرچ کردیئے جاتے ہیں، ۳۰۰ ارب ڈالر اشتہارات اور تجارتی اعلانات کے لیے لگادیئے جاتے ہیں، اور ۵۰۰ ارب ڈالر سے زائد سگریٹ میں لگ جاتے ہیں۔ (مقالہ بعنوان: الدول عجزت عن تحقیق مبدأ المعرفۃ للجمیع: جریدہ القبس، ۱۴؍۳؍۲۰۰۷ء)

ان تلخ حقائق کی روشنی میں ہماری یہ ذمہ داری بن جاتی ہے کہ ہم دولت کی اس غیر منصفانہ تقسیم کے خلاف آواز اٹھائیں، کہ اس نے دنیا کے تین چوتھائی حصے میں فقر وفاقہ اور جہالت نیز امراض میں کافی اضافہ کررکھا ہے، قرآن نے جو اصول بیان کیا ہے کہ مال اہل ثروت کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے، یہ ایک کلی اصول ہے، اس کے سلسلہ میں کچھ بھی غفلت جائز نہیں، ہمیں شرعی احکام کی عملی تطبیق کے لیے کوشش کرنا ہوگی، ہم کو اس سلسلہ میں سعی وجہد کرنا ہوگی تاکہ کوئی بھی محتاج شخص خوشحال زندگی سے محروم نہ رہنے پائے محتاج اور نادار افراد کو بھی مال کا مناسب حصہ حاصل ہو جائے، ہم ان کو جال دیں گے تاکہ وہ شکار پر نکلیں، ہم ان کو روزگار کے مواقع مہیا کرائیں گے، اور یہی بات سمجھ میں بھی آتی ہے کہ ان کو محض کفاف کے بقدر نہ فراہم کیا جائے بلکہ ان کے لیے بقدر کفایت فراہم کیا جائے، رہے وہ لوگ جو مرض سے لاچار ہوگئے ہیں، تھک کر چور ہوگئے ہیں، وہ بقدر کفاف مال ودولت سے بھی محروم ہیں تو ان کو مانگنے سے پہلے ہی دے دیا جائے، تاکہ ان کو اتنے مواقع حاصل ہو جائیں کہ وہ پاکیزہ رزق اور تحسینیات کو حلال طریقے سے حاصل کرسکیں۔

میرے خیال سے سورہ الحشر کی روشنی میں میں نے جو اسلامی معیار پیش کیا ہے کہ دولت اہل ثروت کے درمیان گردش کرتی نہ رہ جائے، یہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے جس کو

عملی شکل دینا لازمی ہے، میں نے اس بڑی مقدار میں جو اعداد وشمار پیش کیے ہیں، اس سے میرا مقصد اس کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ زمانے کے درد کو محسوس کیا جائے، اور اسلامی نظام اور موجودہ دردناک صورت حال کے درمیان جو خلا پایا جاتا ہے اس کو ختم کرنے سے متعلق اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوا جائے، یہ تھا سیاق سے الگ ہٹ کر اس آیت کی روشنی میں اس منہج کا مطالعہ، اب ذیل میں آیت کو سیاق سے جوڑتے ہوئے کچھ باتیں رکھی جائیں گی تا کہ حقیقی تصویر سامنے آجائے، اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ خلل کہاں واقع ہو رہا ہے، کہ مال صرف اہل ثروت کے درمیان گردش کرتا جا رہا ہے۔

دوم: سیاق کی روشنی میں آیت کا مفہوم:

ا۔ اگر اس آیت کو سیاق کی روشنی میں دیکھا جائے کہ سورہ الحشر کی آیات بطور خاص یہود سے جہاد کے سلسلہ میں آئی ہیں تو معلوم ہوگا کہ دولت کی تقسیم کے سلسلہ میں خلل ہمیشہ یہود کے ذریعہ آنا شروع ہوتا ہے، وہ اپنی عادت اور فطرت کے مطابق لوٹ کھسوٹ، فریب دہی اور حیلہ سازی کرتے ہیں، تا کہ مال ودولت پر تسلط حاصل کر لیا جائے، اپنی عادت کے مطابق وہ ایک ایک چیز اکٹھا کر کے رکھتے ہیں، خواہ وہ چیز معمولی ہو یا بہت قیمتی، اس طرح سے فقیروں کے ہاتھ خالی ہو جاتے ہیں اور ہر چیز پر ان کا تسلط ہو جاتا ہے، ان کی حالت بالکل وہی ہے جو قرآن میں کہی گئی:

إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ۔ (ص:۲۳) (یہ میرا بھائی ہے اس کے (ہاں) ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دُنبی ہے یہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور گفتگو میں مجھ پر زبردستی کرتا ہے۔)

اس طرح وہ مال کو اہل ثروت کے درمیان روکے رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، اسی قسم کے وسائل کے بارے میں صہیونی پروٹوکول میں بیان ہوا ہے، مال وزر کو اپنے قبضہ میں کر لینے کے تعلق سے ان کا جو منصوبہ ہے اس سے کچھ باتیں پیش ہیں:

"دوسری حکومتوں کو معاشی بحران کا شکار بنانا ہے، اس کے لیے مارکیٹ سے کرنسی کو غائب کردینا ہے، تاکہ حکومتیں مال وزر سے محروم ہوجائیں اور اس طرح سے بھاری بھاری سود کے ساتھ قرض لینے اور سرمایہ داروں کے ہاتھ میں صنعت دے دینے پر مجبور ہوجائیں، جب سرمایہ داروں کے ہاتھ صنعت آجائے گی تو پھر اس سے لوگوں کی قوت عمل کو خوب استعمال میں لایا جاسکے گا اور اس طرح ملک کی باقی دولت بھی ہاتھ آجائے گی، اس وقت کہا جائے گا کہ مارکیٹ میں موجود دولت ملک کے صنعت کاروں اور وہاں کے مزدوروں کے لیے کافی نہیں ہے، چنانچہ ان کو مزید پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے یہاں موجود سونے کو نکال کر یہود کے خزانوں میں جمع کرادیں گے، اس طرح سے ملکوں کو تباہ کیا جاسکے گا، رہے وہ بادشاہ اور رؤساء جو وہاں پر تخت اقتدار پر براجمان ہیں، ان کے سلسلہ میں مکمل احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ یہود کی چالوں اور فریب کاریوں پر پردہ ڈالے رہیں، اور جو بھی اس معاملہ میں بحث ومناقشہ پر آمادہ ہو اس کو فوراً اور پوری شدت کے ساتھ برطرف کردینا ہے، جب بیرونی قرضوں سے ہماری دولت کئی گنا ہوجائے گی، تو اس صورت میں ہم اندرونی قرض کو پروان چڑھائیں گے، اس کے لیے ہم مختلف آسان داؤ پیچ کا دروازہ کھولیں گے تاکہ ہر انسان اس میں حصہ لے سکے اور اس کی اصل قیمت سے کم میں اس کو خرید لے، اگلے روز اس کی قیمت بڑھادی جائے گی، یہ پورا منصوبہ اس طور پر بنایا جائے کہ انسان اس کو خریدنے کے لیے حریص بن جائے اور اس طرح سے یہود کے خزانوں کو بھر دیا جائے گا، جن خزانوں کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ متعینہ حد سے زیادہ بھرے رہتے ہیں، اور اس طرح سے انہیں مزید دولت جمع کرنے میں آسانی ہوجائے گی۔

(http://www.khayma.com/internetclinic/protocolat/prt21.htm)

موجودہ صورتحال صہیونیوں کے اس خطرناک منصوبہ کی مکمل طور سے تصدیق کرتی ہے، آج وہ ایک اقتصادی ضرورت بن گئے ہیں کیونکہ بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں، میڈیا، انٹرنیٹ، شیئر مارکیٹ، غذا، اسلحہ اور دیگر اشیاء پر یہودی قابض ہیں۔

ذیل میں کچھ اعداد وشمار پیش کیے جارہے ہیں، جن سے اسی بات کا پتہ چلتا ہے:

(http://islammemo.cc/culture-and-economy/2009/10/13/88606.htm)

ا۔ یہودی ٹیلی گراف ایجنسی جس کا ہیڈ آفس نیویارک میں ہے،اس نے ابھی فوربیس ویب سائٹ پر امریکہ کے مالدار ترین افراد کی ایک لسٹ جاری کی ہے، جس میں یہودیوں کو نمایاں مقام حاصل ہے، اس میں کل ۱۳۹ رکی تعداد میں یہودی ہیں، اور پچاس مالدار ترین میں بیس یہودی ہیں، یعنی کل چالیس فیصد یہودیوں کا حصہ ہے، جیکوب بیرکمان کے ذریعہ تیار اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کی ذاتی آمدنی 211.8 بلین ڈالر ہے، (www.forbes.com/lists) اس کے بعد ہی ایک امریکی خبر رساں ایجنسی 'ان ارابیک' کی جانب سے ایک تجزیہ آیا کہ وال اسٹریٹ کی ٹیکنالوجی، کمپیوٹر اور دوسرے پروگرامس پر اور پھر بینک اور، مال وزر کے لین دین وغیرہ میں امریکی یہودیوں کی دولت کا ایک کلیدی کردار ہوتا ہے۔

۲۔ امریکہ کے مالدار ترین یہودیوں میں تیسرا نام 'اوراکل' کمپنی کے لورانس الیسون کا ہے، جس کی دولت ۲۷ر بلین ڈالر بتائی جاتی ہے، دوسرے نمبر پر یہودیوں میں اور آٹھویں نمبر پر پورے امریکہ کے اندر مایکل بلومبرج ہے، بلومبرج کمپنی کا مالک ہے، اسی طرح اس فہرست میں گوگل کے مالک 'سیرجی برین اور لاری بیج' کا بھی نام ہے، ان کی دولت 30.5 بلین ڈالر ہے، پانچویں نمبر پر کمپیوٹر کی ڈیل کمپنی کا مالک مائیکل ڈیل ہے، ساتویں نمبر پر وہاں کا مشہور سرمایہ دار اور ایک بڑی کمپنی کا مالک جارج سورس ہے، اسی طرح اسرائیلی قبضہ اور تسلط کے علمبردار متعدد یہودیوں کا نام بھی اس فہرست میں شامل ہے، جو عرب اور اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں معروف ہیں، اسی طرح اس فہرست میں ایسٹ لاوڈر کمپنی کے لیونارڈ لاوڈر اور رونالڈ لاوڈر کے نام بھی ہیں، اس کمپنی کے عطر وغیرہ کافی بڑی مقدار میں خلیج میں سپلائی کیے جاتے ہیں، اسی طرح عطر کی مختلف کمپنیاں ہیں ارامیس اور رومی عرب نوجوانوں کے یہاں بہت پسند کی جاتی ہیں، پوشاک وغیرہ کی کمپنی کا نام بھی ہے جس میں رالف لورین ہے، جو اصل نیویارک کی ہے، اس کمپنی کے لباس 'بولو' کے نام سے خوب سپلائی ہوتے ہیں اس کی

دولت کا اندازہ 4.2 بلین ڈالر لگایا جاتا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا بھر کی دولت، میڈیا ذرائع اور انٹرنیٹ پر قابض ہی، یہ لوگ بٹن دباتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں بین الاقوامی اور خطہ کی سیاست کا رخ موڑ دیتے ہیں، جس سے بینک، کمپنیوں اور ایک ملک سے دوسرے ملک مال کا بہاؤ شروع ہو جاتا ہے، پھر ان کو ایک بین الاقوامی اثر ورسوخ حاصل ہو جاتا ہے، جس سے وہ چھوٹے بڑے سبھی ممالک کے فیصلوں اور پالیسیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

سیاست دراصل دولت اور میڈیا کے تسلط میں ہوتی ہے

میں اس سے پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ جارج سورس نامی ایک یہودی سرمایہ دار کے پاس اتنی قوت تھی کہ وہ کئی ایشیائی ممالک کو پریشان کیے ہوئے تھا، اور ۱۹۹۴ء میں اس نے پورے ایک ملک انڈونیشیا کو جو آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا مسلم ملک ہے اقتصادی بحران کا شکار بنا ڈالا تھا۔

یہ تو ان منصوبوں کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے جو صہیونیوں کے پیش نظر ہے، جس کے ذریعہ وہ پورے عالم کے اوپر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں، اس کے لیے فتنہ وفساد مچاتے ہیں، جنگی ہتھیار سپلائی کرتے ہیں، میڈیا میں خوب خوب کذب بیانی سے کام لیتے ہیں، جس سے بڑے بڑے ممالک کے ہوش اڑ جاتے ہیں، سخت مخالفتوں اور تلخ نتائج سامنے آجانے کے بعد اب دنیا نئے بحران کا شکار ہو گئی ہے، جو معاشی بھی ہیں، اخلاقی بھی ہیں اور اسی کے ساتھ معاشرتی نیز ملکی تحفظ کو چیلنج کرنے والے بھی ہیں، ہر ایک ایسا پریشان ہے کہ: كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيَاطِينُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ۔ (الانعام: ۷۱) (جیسے کسی کو جنات نے جنگل میں بھلا دیا ہو (اور وہ) حیران (ہو رہا ہو)۔) مال پر تسلط سے معاملہ آگے بڑھ کر عالم پر تسلط تک پہنچتا ہے، تاکہ اس کو اپنے اسرائیلی منصوبوں کے لیے استعمال کیا جائے، جس میں فلسطین پر قبضہ وغیرہ شامل ہے، اور اس کے لیے وہ ظلم کی انتہا بھی کر جاتے ہیں، غزہ کے اوپر ان کی پچھلے دنوں جو آخری یلغار تھی، اس میں انہوں نے گولیاں برسائیں، فاسفورس بم کا استعمال کیا، جس کا استعمال ایک جرم ہے اور اس کی ممانعت آئی ہے، اسی طرح انہوں نے غزہ جانے

والے امدادی کارواں پر حملہ کیا، لیکن اقوام متحدہ اور امن کونسل کسی کی جانب سے اس پر کوئی تردیدی بیان نہیں آیا، باوجود اس کے کہ ان مظالم کا جواب نہیں دیا جاسکتا تھا اور نہ ہی ضائع جانوں کو واپس لایا جاسکتا تھا اور نہ تو جسم سے الگ ہوئے اعضاء کو جوڑا جاسکتا تھا۔ یہ سب کچھ زر اور دولت کی بنیاد پر کیا جارہا ہے، حقائق کی پردہ پوشی کی جارہی ہے، ظلم کو صحیح ثابت کیا جارہا ہے، حالانکہ اس کے خلاف تو جہاد کا حکم ہے کہ مال و دولت کہیں کسی گروہ، کسی قوم اور کسی ملک میں گردش کرتی نہ رہ جائے، بلکہ دولت کی منصفانہ تقسیم ہو اور ہر کسی کے لیے مواقع کی دنیا کھلی ہوئی ہو۔

خلاصہ

ا۔سورہ الحشر کے ساتھ خاص بات یہ ہے کہ اس کی ابتدااور اختتام ایک ہی انداز میں ہے کہ کائنات اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے،اور تمام تعریفیں اور قوت واقتدار اللہ کے ہاتھ میں ہے،اسی طرح یہ سورہ یہود اور مومنوں کے درمیان کشمکش کی مناسبت سے اہم آغاز اور اختتام رکھتی ہے، یہ واحد سورہ ہے جس میں حشر کے مقام اور یہودیوں کے آہنی قلعوں کا ذکر ہے۔اسی طرح فئی کے فقہی معنی بھی اسی سورہ میں بیان ہوئے ہیں۔ مال و دولت کی مبنی بر عدل تقسیم کا بھی اسی سورہ میں ذکر آیا ہے کہ مال و دولت اہل ثروت کے درمیان گردش کرتا نہ رہ جائے۔اسی طرح نادار مہاجرین کا تذکرہ ہے اور انصار کی داد و دہش کا جو ایثار کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔اسی طرح منافقین اور یہود کے درمیان ہونے والے معاہدے کی دفعات بھی تفصیل سے بیان ہوئی ہیں۔قرآن کے بارے میں کہا گیا کہ اگر اس کو کسی پہاڑ پر نازل کردیا جاتا تو وہ اس کی ہیبت سے پھٹ پڑتا۔اس سورہ کا اختتام بھی انوکھے انداز سے ہے،اس طرح کہ تینوں آیات ایک ہی انداز سے ھواللہ کے ذریعہ شروع ہوتی ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح وشام ان تین آیات کی تلاوت کی جانب ترغیب دلائی ہے۔

۲۔مومنین اور یہود و منافقین کے درمیان معرکہ ربانی معرکہ ہے، یہ منہج پوری سورہ میں نظر آتا ہے، دیکھتے ہیں کہ اس مختصر سورہ کے اندر اللہ تعالی اپنی ذات برتر کا نوے مرتبہ ذکر کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے ساتھ معرکہ کی تمام تدابیر اللہ کی جانب سے ہوتی ہیں۔وہ حکمت اور قوت کا مالک ہے، پوری کائنات اس کے لیے تسبیح کناں ہے،اسی نے یہود کو جلاوطن کیا،ان کے دل میں رعب ڈالا،ان کی ایسی پکڑ کی کہ ان کو اس کا اندازہ بھی نہیں تھا، دنیا اور آخرت میں وہ انہیں عذاب سے دوچار کرے گا،ان کی سخت سرزنش کی جائے گی،اسی نے ان کے درخت کاٹنے اور جلا کر خاکستر کرنے کا حکم دیا تھا، وہی ہے جس نے جنگ کے بغیر مال غنیمت سے نوازا، وہ جس پر چاہتا ہے اپنے رسول کو تسلط عطا فرماتا ہے۔

وہ ہر چیز پر قادر ہے، اسی نے مومنین کو تیار کیا اور ان کو اس درجہ پر پہنچایا کہ وہ اللہ کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ خود کسی بھی تنگ حالی کے شکار ہوں، اپنے بعد اور پہلے آنے والے مومنین کے لیے دعا گو ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہی تو ہے جس نے منافقین اور یہود کے بیچ ہوئے معاہدہ کو بے نقاب کر دیا، مومنین کو اطمینان دلایا کہ منافقین کبھی بھی یہودی سرداروں کی مدد نہیں کر سکیں گے، ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ مومنین کا خوف بیٹھا ہوا ہے، وہ شیطان کی طرح ہیں، اللہ تعالیٰ مومنین کو تقویٰ کی دولت سے مالا مال کرے گا جس سے وہ اس کی مدد اور نصرت اور آخرت کی کامیابی کے مستحق ہو جائیں گے۔ اسی نے قرآن نازل فرمایا، جو ہر بھلائی کی کلید ہے، اس کے بعد ان آیات پر اس سورہ کا اختتام ہوا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ہی قوتوں کا مالک اللہ رب العالمین ہے۔

۳۔ ہم جمہور مفسرین اور اصولیوں سے اتفاق رکھتے ہیں کہ وہ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ سے اعتبار اور قیاس پر استدلال کرتے ہیں، یہود کا خیال تھا کہ ان کی آہنی دیواریں ان کو محض مومنین ہی سے محفوظ نہیں رکھیں گی بلکہ اللہ سے بھی ان کو محفوظ رکھیں گی، مومنین بھی سمجھ بیٹھے تھے کہ ان کو شہر بدر کرنا محال ہے، لیکن اللہ نے وہ کچھ کر دکھایا جس کی ان کو امید بھی نہیں تھی، وہ لوگ اپنے ہاتھوں سے اور پھر مومنین کے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو مسمار کرنے لگے، اس طرح اللہ نے ان کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا، اس آیت کے اختتام پر فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ کا ذکر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جو عہد نبوی میں ہوا تھا وہ ان شاء اللہ پھر ہو کر رہے گا، بس ضرورت ہے کہ مومن اللہ پر اعتماد اور یقین رکھیں کہ ان کے ساتھ بھی ویسا ہی ہوگا جیسا کہ ان کے اسلاف کے ساتھ ہوا تھا، لیکن شرط یہ ہے کہ اسی راستے پر چل کر دکھائیں جس راستے پر اللہ کے رسول اور ان کے صحابہ نے چل کر دکھایا ہے، ان کے نقش قدم پر چلیں گے تو اللہ کا قانونِ قیاس و اعتبار حرکت میں آئے گا اور مومنین کو جہاں اس سے اطمینان قلب نصیب ہوگا وہیں ظالم لوگ مچل کر رہ جائیں گے۔

۴۔ ہر کسی انسان کے اندر محبت و نفرت، ترغیب و ترہیب کا فطری احساس پایا جاتا ہے، اللہ کا

رحم وکرم ہے کہ اس نے انسان سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ اپنی فطرت سے مکمل طور پر باز آجائے، بلکہ اس کے احساسات وجذبات کو ایک رخ پر ڈال دیا کہ وہ مومنین سے محبت کریں اور ظالم لوگوں کے سامنے آہنی دیوار بن جائیں، ساری انسانیت کے دشمن کی شناخت اجتماعی امن کے حصول کے لیے بنیادی شرط ہے، ورنہ تو پھر انسان خود اپنے گھر بار اور وطن کا دشمن بن جاتا ہے۔

۵۔ سورہ الحشر میں صاف انداز سے اس بات کو بیان کردیا گیا کہ مومنین کے تین دشمن ہیں، یہود، منافقین اور شیطان۔ یہ سب مومنین کو گمراہ کرنے، تکلیف پہنچانے اور ان کے ساتھ ظلم وتشدد کا معاملہ کرنے کے لیے متحدر ہتے ہیں۔

٦۔ دشمن کی شناخت کا مطلب یہ ہے کہ ہم صرف دشمن کا نام ہی جاننے پر اکتفاء نہ کریں، بلکہ اس کی صفات اور اس کی حرکات سے بھی واقفیت رکھیں، اس سے ظالموں کی چالوں سے گہری واقفیت ہوگی اور مومنین ان کے مقابلہ کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

۷۔ سورہ الحشر میں پہلا دشمن یہود کو کہا گیا ہے، اللہ نے ان کے لیے دو مرتبہ کفر کا لفظ استعمال کیا ہے، میں نے کتاب میں تفصیلی اور قطعی دلائل اور توریت اور تلمود کے انحرافات سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالی اور فرشتوں کے سلسلہ میں ان کا عقیدہ حد درجہ انحطاط کا شکار ہے، انبیاء کے سلسلہ میں ان کا عقیدہ کافی حد تک اپنے اندر پستی رکھتا ہے، اس کے علاوہ ان کی یہ خام خیالی ہے کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں اور دوسروں پر وہ نسلی امتیاز رکھتے ہیں۔

۸۔ قرآن میں ۲۴ ر مرتبہ غضب کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس میں اکثر کا ستعمال یہود کے سلسلہ میں ہوا ہے،، قرآن مجید میں غضبان کا لفظ صرف موسیٰ کی جانب منسوب ہوکر آیا ہے، اسی طرح یہود قتل اور عہد شکنی کے نتیجے میں عمومی غضب کے اولین درجہ پر ہیں۔

۹۔ مسلمانوں کے سب سے خطرناک دشمن منافقین ہیں، جو ان کی اندرونی صفوں میں پائے جاتے ہیں، مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہیں، تاہم ان کی دلی دوستی، فکری وابستگی اور مستقبل میں ان کا انجام سب کچھ یہودیوں کے ساتھ وابستہ ہے، وہ یہود کے لیے مسلمانوں کے خلاف آنکھ، زبان اور

ہاتھ پیر سب کچھ بن جاتے ہیں، سورہ الحشر کے اندر منافقین اور یہود کے درمیان پائے جانے والے اس مضبوط رشتے کو بیان کیا گیا ہے، ساتھ میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ اس سب دوستی اور محبت کے باوجود وہ غدار اور دھوکہ باز ہیں، بالکل اسی طرح جیسے کہ یہود کا حال ہے، اور ان کا حال یہ ہے کہ اللہ سے زیادہ مومنین سے سہمے ڈرے رہتے ہیں۔

۱۰۔رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئے ان منافقین کے نو واقعات بیان ہوئے ہیں، ان سب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے ساتھ کس درجہ خیانت کا رشتہ رکھتے تھے، ظاہر یہ کرتے تھے کہ مسلمانوں کے دوست ہیں جبکہ ہر عہد میں انہوں نے اللہ کے دشمن یہود اور مشرکین کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھائے رکھیں۔

۱۱۔تیسرے دشمن شیاطین ہیں، وہ بتدریج انسان کو کفر تک لے جاتے ہیں اور پھر انسان سے اظہار برأت کر دیتے ہیں، ان کا ایجنڈا یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے ساتھ جہنم کے راستے کی طرف بلاتے ہیں۔شیطان نے تو اللہ کے ساتھ سرکشی کی اور سجدے سے انکار کر دیا تھا۔اس کے بعد اللہ سے یہ عہد کر کے آیا ہے کہ پوری انسانیت کو گمراہ کرے گا اور اس کام کے لیے اس نے خود کو پورے طور سے لگا رکھا ہے، لہذا بہت ہی بیدار مغزی کی ضرورت ہے، تاکہ خیر کے کام کرنے سے پہلے، درمیان اور بعد میں اس کی جانب سے دل میں ڈالے جانے والے وسوسوں کا مقابلہ کیا جا سکے، وہ تو چاہتا ہے کہ انسان اور اس کے رب کے درمیان پائے جانے والے رشتے کو مکدر کر دے اور اس کو خواہشات نفسانی اور شیطان کا غلام بنا ڈالے۔

۱۲۔یہود، منافقین اور شیطان کی صفات میں بہت کچھ یکسانیت بھی پائی جاتی ہے، ان کے درمیان مومنوں کے خلاف باہم ایک عہد ہے کہ ان کو زدوکوب کیا جائے اور ان کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں سخت احتیاط اور تیاری کی ضرورت ہے۔

۱۳۔کوئی بھی مسلم اس بات میں شک نہیں کر سکتا کہ قرآن ان کی صفات اور حرکات پر جس قدر زور دیتا ہے اس کا ایک ہی سبب ہے کہ وہ ہمارے لیے بہت ہی خطرناک دشمن ہیں، ضرورت ہے

کہ قرآن کی اصولی باتوں کو ہم موجودہ حالات میں تطبیقی شکل دیں، اللہ کے دشمن یہود، منافقین اور شیطان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور اس بات کا یقین رکھیں کہ یہ ایک ربانی معرکہ ہے، جو مومنین اور ان تینوں دشمن، یہود، منافقین اور شیطان کے درمیان جاری ہے، اس میں کامیابی تو انہیں لوگوں کو ملے گی جو اللہ پر ایمان لائے ہیں تاہم اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔

۱۴۔ صرف سورہ الحشر کی آیات ہی کے اندر ہم دیکھتے ہیں کہ فیئ کا فقہی معنی مذکور ہے، اور یہ ایک ایسے سیاق میں جس کے اندر یہود اور مومنین کے درمیان سخت معرکہ کا ذکر ہے جس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ یہود نے گھٹنے ٹیک دیئے، اپنے گھر اور زمین جائداد کو چھوڑ دیا، ان کے آہنی قلعے ان کے عزائم کو کچھ بھی تقویت نہیں پہنچا سکے، اور نہ ہی ان کے وہ دعوے کچھ کام آسکے کہ ان کی فوج نا قابل تسخیر ہے۔ قرآنی سورتوں اور غزوات نبوی کے واقعات سے ثابت ہو گیا کہ بنی نضیر، قینقاع اور قریظہ میں انہوں نے تلوار تک نہ نکالیں، باوجود اس کے کہ ان کے پاس تمام قلعہ اور ساز وسامانِ جنگ موجود تھا، اور جب خیبر کے پہلے معرکہ میں جنگ کے لیے میدان میں آئے تو فوراً ہی گھٹنے ٹیک دیئے، اس طرح قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دعووں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، ان کی تیاریوں کا خوف نہیں کھانا چاہئے، بلکہ ان کی بزدلی اور گھبراہٹ پر یقین رکھنا چاہئے، زندگی سے ان کی حد درجہ محبت کو بھی ذہن میں رکھنا چاہئے، اللہ کی توفیق شامل حال رہی تو ان پر نصرت اور غلبہ آسان ہو جائے گا۔

۱۵۔ فیئ سے متعلق آیات کے ذیل میں ایک اہم اسلامی اور معاشی اصول بیان ہوا ہے، کَیْ لَا یَکُونَ دُولَةً بَیْنَ الْأَغْنِیَاءِ مِنكُمْ. (تاکہ جو لوگ تم میں دولتمند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے۔) میں نے اس آیت کو ایک مرتبہ سیاق سے الگ کر کے دیکھا اور ایک مرتبہ سیاق کی روشنی میں دیکھا، اس سے معلوم ہوا کہ آیت کے اندر اس بات کو بیان کیا گیا ہے کہ جزئی احکام کا یہ نتیجہ نہیں ہونا چاہئے کہ مال اہل ثروت کے درمیان گردش کرتا رہ جائے اور فقراء اس سے محروم رہ جائیں، میں نے متعدد اعداد وشمار بھی بیان کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمی سطح پر ممالک اور افراد دونوں ہی کے درمیان کس قدر خلا پایا جاتا ہے، بعض گنتی کے ممالک اور بعض گنتی کے افراد دنیا کی ۸۰ رفیصد دولت

پر قابض ہیں، جبکہ ہر پانچ سیکنڈ کے اندر اکیسویں صدی کی دنیا میں ایک فرد تنگ حالی کے سبب موت کا شکار ہو جاتا ہے، اگر اس معنی کو یہود سے جنگ کے سیاق کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دولت اہل ثروت کے درمیان ٹھہر جانے اور جمع رہ جانے کا سبب یہی یہود ہیں۔ یہ تو ایک قدیم بات ہوئی تاہم آج بھی ان کے پروٹوکول سے یہی بات ثابت ہوتی ہے، عالمی اعداد وشمار اور عالمی اقتصادیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود دنیا کی بیشتر معیشت اور میڈیا پر قابض ہیں، اور اس کے ذریعہ وہ ایسی سیاسی پالیسیاں تشکیل دیتے ہیں جو ان کے پروجیکٹ اور مقاصد کے لیے معاون اور مفید ہوں، گرچہ اس کے نتیجہ میں کتنا ہی عدم توازن پیدا ہو جائے، اقدار کا انحطاط ہونے لگے، اس طرح سورہ الحشر ایک اہم معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے وہ یہ کہ ان یہودیوں سے فلسطین میں قبضہ اور تسلط، اور زمین میں فتنہ وفساد پھیلانے کے سبب جہاد کرنے کے بعد ہی آج کی دنیا میں دوبارہ توازن کی بازیافت ہو سکتی ہے۔

ضمیمہ نمبر (۱)

کنیس الخراب اور خانہ خرابی کے درمیان

وجوہ امتیاز

صہیونیوں کی جانب سے ۲۹ر ربیع الاول ۱۴۳۱ھ بمطابق ۱۵ر مارچ ۲۰۱۰ء دوشنبہ کے روز مسجد اقصی سے چند میٹر کے فاصلے پر کنیس الخراب کی تعمیر کا قدم اٹھایا گیا اور اس کے اگلے روز ہی اس کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ ان شاء اللہ سورہ الحشر میں بنی نضیر کے تعلق سے جو بات کہی گئی ہے، اس کنیسہ کے ذریعہ ان کی جانب سے یہ اس کا آغاز ہے: يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ. (الحشر: ۲) (اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے (بصیرت کی) آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو۔)

جمہور علماء اصول کہتے ہیں کہ قیاس کی مشروعیت کی دلیل یہی قرآنی آیت ہے، لگتا ہے کہ صہیونیوں کی بدشگونی ہے کہ انہوں نے اس گرجا کا نام کنیس الخراب رکھا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ ان کی خانہ خرابی کی ابتدا ہو جائے، ان کے منصوبے برباد ہو جائیں، ان کی طاقت خود ان کے اپنے ہاتھوں سے نیست ہو کر رہ جائے، پھر مومنین کے ہاتھوں ان کا سارا زور ملیا میٹ کر دیا جائے، جیسا کہ سورہ الحشر میں کہا گیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس سورہ کے آغاز میں ہے: سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. (الحشر: ۱) (جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں (سب) اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔)، اور پھر سورہ کے اختتام میں کہا گیا کہ: يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ. (الحشر: ۲۴) (جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ

غالب حکمت والا ہے۔)،ان دونوں آیات کے درمیان بنی نضیر کے تعلق سے گفتگو کی گئی ہے کہ جنہوں نے اللہ کے رسول کی جان لینے کا منصوبہ بنایا تھا،چنانچہ اسی روز ان سے جنگ کا فیصلہ کرلیا گیا اور بغیر کسی تاخیر کے ان کی جانب کوچ کرلیا گیا۔اللہ کے رسول نے ان سے فرمایا تھا کہ:دس دن کے بعد تم میں سے کوئی مدینہ میں باقی رہ گیا تو اس کی گردن ماردی جائے گی۔نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو جلاوطن کردیا گیا،اور ذلیل ہوکر ان کو وہاں سے جانا پڑ گیا،ان کی ساری دولت مسلمانوں کو بغیر کسی معرکہ آرائی کے ہاتھ آ گئی۔

آج بھی سورہ الحشر کی آیات ہمارے حکام اور ساری قوم کو آواز دیتی ہیں کہ:وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا. (الحشر:۷) (سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو۔)،اس طرح فلسطینیوں کے سامنے اسرائیل کے خلاف جہاد ہی اصل راستہ ہے، یہ بات چیت اور مذاکرات تو محض گمراہ کرنے کے لیے ایک سازش ہیں۔مقابلہ آرائی سے ہی حل ممکن ہے اور مصالحت تو فسق کی راہ ہے۔

سورہ کے اندر دوگروپ کی بات کہی گئی ہے، ایک مجاہد اور میدان کے غازی، جنہوں نے:وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ. (الحشر: ۹) (اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کرکے ان کے پاس آتے ہیں۔)، یہ لوگ انصار اور مہاجرین کے نیک اور صالح افراد ہیں۔

ایک دوسرا فریق ہے،جس نے بنی نضیر کے ساتھ دوستی کر رکھی ہے،ان کی قیادت عبداللہ بن ابی کررہا ہے،ان کو سورہ کے اندر خوب رسوا کیا گیا کہ وہ شیاطین کی طرح ہیں،فرمان الٰہی ہے:أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَداً أَبَداً وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ . لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِن قُوتِلُوا لَا يَنصُرُونَهُمْ وَلَئِن نَّصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ. (الحشر: ۱۱،۱۲) (کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو

اپنے کافر بھائیوں سے جو اہلِ کتاب ہیں کہا کرتے ہیں کہ اگر تم جلاوطن کئے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے مگر اللہ ظاہر کئے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ اور اگر مدد کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کو (کہیں سے بھی) مدد نہ ملے گی۔)، گویا کہ قرآن صرف مدینہ کے سماج کی تصویر نہیں بیان کررہا ہے کہ جہاں فریبی اور دھوکہ باز یہود ہیں، خائن اور ذلیل منافقین ہیں، جہاد کے لیے پرعزم مومنین ہیں، بلکہ ارض فلسطین کی صورتحال کا بھی نقشہ کھینچ کر رکھ دیا، عرب کے خائن اور بزدل لوگوں کو بھی بیان کردیا، ارض فلسطین میں جہاد کے لیے سرگرم مومنین اور مسلم امت میں ان کے انصار و مددگار کا بھی ذکر کردیا، پھر تقوی اور آخرت کے ذکر کی جانب متوجہ کیا گیا، ہم اللہ عزیز و برتر کو بھول نہ جائیں، ورنہ پھر ہم بھی ذلیل و رسوا ہو جائیں گے، جنت کے حقدار اور جہنم رسید ہونے والوں کے درمیان امتیاز لازمی ہے، فرمان الٰہی ہے: ا يَسْتَوِیٓ أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ. (الحشر: ۲۰) (اہلِ دوزخ اور اہلِ بہشت برابر نہیں اہلِ بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔) اس کے بعد کہا گیا کہ قرآن کے احکام کو بجالانا ہے، اس کے لیے تدبر و تفکر اور خشوع و خضوع لازمی ہے، اللہ رب العزت کے فرامین پر سر اطاعت خم کردیا جائے، اللہ رب العزت کی صفات حسنہ کا ذکر کرنے کے بعد آیت عزیز و حکیم رب کا ذکر کرتے ہوئے اختتام کو پہنچی، وہ عزت اور قوت کا مالک ہے، اس کے اندر حکمت ہے، امت کی ذمہ داری ہے کہ رب کے اوپر اعتماد کرے، دشمنوں کے خلاف جہاد کا اعلان کردے، صہیونیوں کے گھروں کو تباہ و برباد کردے، اس یقین کے ساتھ کہ اللہ ساری قوتوں، عظمتوں اور حکمتوں کا مالک ہے۔

یہ سورہ ان پچاس سورتوں میں سے ایک سورہ ہے، جس کے اندر بنی اسرائیل سے متعلق گفتگو کی گئی ہے، بس اس حقیقت کو سمجھنے اور سمجھانے کی ضرورت ہے، ڈاکٹر فتح اللہ سعید کی ایک کتاب ہے 'معرکۃ الوجود بین القرآن والتلمود'، اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے، تاکہ تمام ہی امور سے واقفیت ہوجائے، پھر سیرت نبوی ﷺ اور بطور خاص یہود کے ساتھ ہوئے چار غزوات: بنی نضیر، قریظہ، خیبر اور

قینقاع کا مطالعہ کرنا چاہئے، اس بات کو اچھی طرح یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ تمام یہودی صہیونیوں کی طرح باہر سے آ کر قابض نہیں ہوئے تھے، تاہم عہد شکنی اور فریب دہی کے سبب ان سے جنگ کی گئی، اور ان سب کو جلاوطن کر دیا گیا، ان کے ساتھ آخری معرکہ جب ہوا تو اس وقت اس شعار کو بلند کیا گیا کہ ''اللہ اکبر، خیبر برباد ہوا، جب ہم کسی قوم سے برسر پیکار ہوتے ہیں تو انہیں ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر دیتے ہیں''۔

اسرائیل کے خلاف جہاد کا علم بلند کرنے کی ضروت ہے، بات چیت کا خاتمہ ہونا چاہئے، امت کے مردوں، عورتوں، نوجوانوں سب کو میدان میں آجانا چاہئے، بالکل اسی طرح جس طرح اللہ کے رسول اور ان کے صحابہ میدان میں صف آرا ہوئے تھے، تاکہ ان کے کنیس الخراب کو برباد کر دیا جائے اور پوری صہیونی لابی کو نیست و نابود کر دیا جائے، اس طرح یہ لوگ اپنے فریب اور دھوکہ کا مزہ چکھ لیں گے اور یہ سب اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔ (وما ذلک علی اللہ بعزیز)

ہمارے لیے ممکن ہے کہ ہم مال کا عطیہ بھیج کر، دعائیں کر کے، قنوت پڑھ کر ان کے ساتھ شریک جہاد ہوں، ای میل کریں، تقاریر کریں، محاضرات دیں، بچوں، بڑوں، عورتوں سب کے اندر اس کے تعلق سے شعور بیدار کریں، کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتا، ایک مچھر بھی ایک شیر کی آنکھوں کے پپوٹوں کو خون آلود کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے، اللہ رب العزت کے یہاں کوئی محنت رائگاں جانے والی نہیں ہے، وہ تو خیر و شر سب کے ایک ایک ذرے کا اجر دیتا ہے، میری امت کے نوجوانوں! ہم تو ایک ارب پچاس کروڑ ہیں، صہیونی تو بس لاکھوں کی تعداد میں ہیں، اگر امت نے ان کی جانب رخ کر لیا تو وہ خود ہی ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ سوچو کیا ہوگا جب ان کی جانب اپنے بیانات اور نیزوں کا رخ کر دیا جائے، کیونکہ جنگ کا آغاز تو بیانات ہی سے ہوتا ہے، اس کے بعد نیزوں کا وقت آتا ہے اور پھر دو نیک انجام میں سے ایک انجام کا سامنا ہوتا ہے۔

ضمیمہ (۲)

صہیونی قزاقی اور عالمی رحمت کے درمیان

وجوہ امتیاز

صہیونی قزاقی سے متعلق حقائق سے قرآن کے ان نصوص کی مزید تاکید ہو جاتی ہے، جن میں بتایا گیا کہ بنی اسرائیل کے یہاں خونریزی اور معصوم افراد کا قتل عام بات تھی، خواہ یہ معصوم افراد انبیاء میں سے کیوں نہ ہوں، فرمان الٰہی ہے: أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقاً كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقاً تَقْتُلُونَ۔ (البقرہ:۸۷) (تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آیا جن کو تمہارا جی نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہِ (انبیاء) کو تو جھٹلاتے رہے اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔)

فلسطین کی جانب گامزن قافلہ حریت میں شریک معصوم چالیس افراد کے ساتھ جو قتل و بربریت اور قید و بند کا کھیل ۱۷ر جمادی الاول ۱۴۳۱ھ بروز دوشنبہ صبح بعد نماز فجر کھیلا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صہیونیت اب اس بات سے بالکل مطمئن ہے کہ مسلم امت کی جانب سے اس کو کسی ردعمل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، ان کی اس سرکشی پر امریکہ اور پورے عالم کی جانب سے کسی بھی قسم کی کوئی آواز اور ملامت نہیں کی جائے گی، میں عالم انسانیت میں رحمت کے علم برداروں سے کہوں گا کہ صہیونی قزاقی کے ساتھ مقابلہ آرائی اور چیلنج جاری رکھیں، میں سب سے پہلے علماء امت سے درخواست کروں گا اور پھر حکام سے اور پھر پوری امت اسلامیہ اور دنیا کے چپے چپے میں آباد آزادی کے علمبردار افراد سے کہوں گا کہ ذیل کے نکات کے تحت ہم سب کو حرکت میں آجانا چاہیے:

۱۔ کوئی بھی عرب یا اسلامی حکومت ان زخم خوردہ افراد کو گود لے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان

کے علاج میں کوتاہی برتی جائے یا پھر ان کو جان بوجھ کر قتل کر دیا جائے۔

۲۔ شیخ الازہر سے درخواست ہے کہ جو دیوار تعمیر کی جارہی ہے اور خاص طور سے رفح سرحد پر جو حصار بندی کی جارہی ہے، اس کی تعمیر کے کام کو فوری طور پر رکوانے کی کوشش کریں، کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ ان قافلوں نے سمندر کی راہ خشکی کے راستے سے مکمل مایوسی کے بعد ہی اختیار کی تھی۔

۳۔ علماء امت اپنے احتجاجات اور تحریکات جاری رکھیں تاکہ اس قافلہ میں شریک افراد کی تائید اور تحسین کی جائے، اور بتا دیا جائے کہ اس انسانی جدوجہد میں ہم بھی ان کے ساتھ ہیں۔

۴۔ عوام اور مختلف اداروں اور ترکی حکومت کی کوششوں کو سراہنا چاہئے کہ انہوں نے اتنی بڑی قربانی دی، بہرحال انہوں نے ایسا قدم اٹھایا ہے، جس کی پیروی کی جانی چاہئے۔

۵۔ آزادی پسند اس کاروان رحمت پر صہیونی قزاقوں کی یلغار کے خلاف صرف غزہ کے ہمارے بھائی نہیں بلکہ تمام عالم کے آزادی پسند افراد کو جہاد اور مزاحمت کی راہ اختیار کرنے کے لیے تیار ہو جانا چاہئے، صہیونیت کے ساتھ ہر قسم کے مذاکرات اور بات چیت کو رد کر دیا جائے، ان قابض لوگوں کے تسلط سے آزاد ہونے کے لیے اور مسجد اقصی اور ارض فلسطین کی آزادی کے لیے واحد راہ جہاد ہی کی راہ ہے۔

۶۔ الکٹرانک ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے اپنی حد تک جہاد کی کوشش کی جائے، اور اس طرح ان صہیونی قزاقوں کا چہرہ سب کے سامنے واضح طور سے بیان کر دیا جائے، اور اس سنگین حادثے کے جو فوٹوز مہیا ہوں ان کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے۔

۷۔ غزہ میں محصور ہمارے بھائی بہنوں کے لیے خوب خوب صدقات کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ کم از کم اس قافلہ کا بدل ان کو مل جائے جس کے وہ منتظر تھے، اور آج وہ ایک بدترین انسانی مصیبت سے دوچار ہیں، عربی شاعر نے کہا ہے کہ:

وكن على الدهر معوانا لذى امل   يرجو نداک فان الحر معوان

(زمانے کے لیے دست تعاون دراز کرو کہ وہ امید باندھے تمہاری صدا کا منتظر ہے، اور آزاد

ہی شخص سے تو تعاون کی امید کی جا سکتی ہے۔)

۸۔ان شدید رنج وغم کے درمیان اللہ کی مدد پر مضبوط یقین اور اعتماد رکھنے کی ضرورت ہے، وہ سب پر غالب ہے اور اس کی پکڑ بھی بہت سخت ہے، اور مومنین کے لیے اس کی مدد آ کر رہے گی، اس کا فرمان ہے: ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ۔ (سورہ محمد: ۱۱) (یہ اس لئے کہ جو مومن ہیں ان کا اللہ کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔)

۹۔آخری بات یہ کہ اللہ کے حضور عاجزی اور انکساری کے ساتھ رونے، گڑگڑانے کی ضرورت ہے، روزہ رکھیں، قیام لیل کریں، خوب خوب انفاق کریں، دعائے قنوت کا اہتمام کریں کہ اے ہمارے رب ان ظالم صہیونیوں کو بھی ہلاک کر اور ان منافق کو بھی ہلاک کر جو ان کا ساتھ دیتے ہیں۔

علماء امت کا مقام امت کے اندر باشعور اور بیدار مغز قائد اور امت کے دکھ اور درد کے سلسلہ میں ترجمانِ امت کا ہے، ہم ان کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ ایک نئے قافلہ کو لے کر چلیں اور اس کی قیادت کے لیے تیار ہو جائیں، اس قافلہ کا نام ہوگا: 'قافلة المرحمة الانسانيه لعلماء الامة الاسلامية'۔ میں اپنی امت سے مخاطب ہو کر کہوں گا کہ تاخیر سے پہنچنا اس بات سے بہتر ہے کہ تم اپنی جگہ آرام سے ٹھہرے رہو!

ضمیمہ (۳)

صہیونی حماقت اور ترکی خودداری کے درمیان

وجوہ امتیاز

قافلہ حریت کے ساتھ صہیونی بربریت نے اپنی سیاسی، عسکری اور میڈیا ذرائع کے سلسلہ میں حماقت کا اظہار کردیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عملی طور پر اس چیز کا آغاز کررہے ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہے: يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَار. (الحشر: ۲) (اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے (بصیرت کی) آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو۔)

ان صہیونیوں نے بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد القرظی کی بات کو بھی سچ کردکھایا کہ اس نے اپنے قبیلہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "اے میری قوم کے لوگو! کیا کبھی بھی تم عقل سے کام نہیں لوگے؟!" وہیں دوسری طرف ترکی کی خودداری بھی خوب سامنے آئی، جب کہ عالم عرب اور عالم اسلام پر چھت گر پڑرہی تھی، فلسطین کا مسئلہ ایک اسلامی مسئلہ تھا، سلطان عبدالحمید نے اس کی ایک بالشت زمین بیچنے سے انکار کردیا تھا کہ وہ اللہ کے لیے وقف کردہ تھی، اس مسئلہ کو سمیٹ کر عربی مسئلہ بنادیا گیا، پھر عرب کے اس علاقہ کا مسئلہ بنادیا گیا جو فلسطین کے اطراف میں ہے، پھر اس کو فلسطینی مسئلہ بنایا گیا اور پھر داخلی شگاف پیدا کرکے فلسطینی صف میں سے کچھ خائن فلسطینی اور اطراف کے عربوں کو الگ کردیا گیا۔ فلسطین کی زمین کو بنا کسی قیمت کے فروخت کردیا گیا، کیا تھا بس چھت گری اور پوری امت دب کررہ گئی، ٹوٹے ہوئے بازو اور کم زور عرب کے لوگوں نے اس سلسلہ میں کچھ پہل کی اور صہیونیوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر ان کی رضامندی کے طالب ہوگئے کہ ان کی اس پہل کو شرف قبولیت حاصل

ہو جائے لیکن ان کو پیروں سے کچل دیا گیا، اور ان کو حقارت اور نفرت آمیز لہجے میں برطرف کر دیا گیا، آخر ان کو ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، لیکن ترکی کی خودداری نے اس مسئلہ کو پھر ایک اسلامی مسئلہ بنا دیا، اور غزہ کے واقعات اور دافیس کی کانفرنس کے بعد اس چھت کو بھی اٹھا دیا جو گری پڑی تھی، مجبوراً ان کے گرجا، ان کی حکومت اور ان کے وزیر خارجہ نے بار بار ترکی کے سامنے معذرت کی، آج رجب طیب اردگان اور ان کے ساتھ ان کے وزیر خارجہ الالمعی اور خوددار ترکی کے تمام ہی عوام صہیونیوں کے ناخن تراشنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ اس قافلہ میں شریک ترکیوں کا خون آخر کار رنگ لے ہی آیا، تاکہ عالم انسانیت کے انسانی جذبات کو حرکت میں لے آئے، اور امت اسلامیہ کے اندر بجھتی ہوئی امنگوں کو روشن کر دے، چنانچہ پورے عالم سے اسرائیل کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں، حتی کہ ان احمقوں کے سردار نے کہا کہ: ہمیں نہیں معلوم تھا کہ دنیا میں ایک ایک گھر کے اندر اسرائیل کے دشمن بیٹھے ہیں، مظاہروں سے صہیونیوں کو لعنت کے سمندر میں غرق کر دیا گیا، اس ظلم و زیادتی کو تمام ہی میڈیا نے خوب دکھلایا، اور عزم اس قدر جواں ہو چلا کہ اسرائیل کی ناکہ بندی اور غزہ کی آزادی کے لیے آوازیں اٹھنے لگیں۔ اہل غزہ عظمت کے نشان ہیں، کسی بھی صاحب بصیرت سے یہ امر پوشیدہ نہیں رہنا چاہیے کہ صہیونی حماقت اور عرب حکومتوں کی کاسہ لیسی کے سلسلہ میں ڈاکٹر علی جریشہ کی بات کافی اہم ہے، ان کے مضمون کا عنوان ہے 'جب حماقت عام ہو جائے گی'۔ میرا خیال ہے کہ اس کو دوبارہ شائع کرنا چاہیے تاکہ صہیونیت اور اس کے کارندوں کو حماقت اور بیوقوفی میں اول درجہ دیا جا سکے، البتہ ترکی کے سلسلہ میں جو بات کہی گئی اس کے سلسلہ میں کافی بحث اور تحقیق کی ضرورت ہے، مقالے اور مضامین لکھنے کی ضرورت ہے، جن کا موضوع ہونا چاہیے: 'جب خودداری عام ہو جائے گی'، یہ وہ وقت ہوگا جب ایک نئی نسل اٹھ کھڑی ہوگی، جس کو نہیں معلوم ہوگا کہ سر کیسے جھکایا جاتا ہے، وہ بس حرکت و عمل کے میدان میں رہے گی، اس کو کسی حماقت کا خوف نہیں ہوگا بلکہ خوشی خوشی جان کا نذرانہ پیش کر دے گی، تاکہ زندوں کو بیدار کیا جا سکے، اور رب کائنات کی رضامندی حاصل کی جا سکے۔

میں امت اسلامیہ کے جیالوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ اب تمہارے سامنے صرف دو ہی

راستے ہیں، ایک حماقت کا اور ایک خودداری کا، اب تمہارے اوپر ہے کہ تم کس کو پسند کرنا چاہتے ہو، وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ۔ (الانعام:۵۵) (اور اس لئے کہ گنہگاروں کا راستہ ظاہر ہو جائے۔)، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (المنافقون:۸) (حالانکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی لیکن منافق نہیں جانتے۔)

ضمیمہ (۴)

کھیل کود اور فاقہ کشی کے درمیان

وجوہ امتیاز (۱)

جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں ۱۱/جون سے ۱۱/جولائی ۲۰۱۰ء کے درمیان ایک ورلڈ کپ منعقد ہونے والا ہے، اس کا انعقاد میڈیا ذرائع کے بھرپور ہنگامے کے ساتھ تقریباً ہر سال ہوتا ہے، اس کے ذریعہ دنیا بھر کو اس فاقہ کشی اور ظلم وزیادتی سے غافل کر دیا جاتا ہے، جو آج پورے عالم اور بطور خاص افریقہ کے لیے ایک بڑا مسئلہ بنی ہوئی ہے، صحیح بات تو یہ ہے کہ کھیل کود ان چیزوں میں سے ہے جن کا نمبر انسان کی بنیادی ضروریات اور اہم حاجتوں (الضروریات والحاجیات) کی تکمیل کے بعد آتا ہے، لیکن آج کی دنیا میں ان تمام ترجیحات کو بھلایا جاچکا ہے! ان کھیلوں میں ایک کھلاڑی کی آمدنی اتنی ہو جاتی ہے جو کسی ایک براعظم کے تمام فقراء کی عمر بھر کی آمدنی نہیں ہوتی ہے۔

ان اولمپک میچوں کا کل خرچ تقریباً 3.7 ارب ڈالر ہوتا ہے جو کھیل اور اس کی نشریات پر خرچ کیا جاتا ہے، اس دولت کو اگر غریب اور نادار لوگوں پر خرچ کیا جائے تو پورے عالم کے فقراء کا مسئلہ حل ہو جائے گا، اگر ہم نے ایک سال اولمپک کرانے کے بجائے بھوکے پیٹوں کو چند لقمے اور ننگے جسموں کو لباس فراہم کر دیئے تو یہ شرعاً بھی بہتر ہوگا اور انسانیت اور انسانی عظمت سے قریب تر ہوگا۔

ہر پانچ سیکنڈ میں دنیا کے اندر ایک بچہ جاں بحق ہوتا ہے، اس میں کم از کم دو کا تعلق افریقہ سے ہوتا ہے، مطلب یہ ہوا کہ جتنی دیر میں میچ ختم ہوتا ہے، اس دوران ہزاروں لاکھوں جانیں بھوک سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہیں، انہیں اولمپک کے پڑوس میں لاکھوں لوگ دنیا کو خیر آباد کہہ جاتے ہیں لیکن کسی کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کو دفن کرنے کے لیے کفن کا انتظام نہیں

ہوتا ہے، کبھی ان کو دفن کرنے والا کوئی نہیں ہوتا، اور درندے آ کر ان کو چٹ کر جاتے ہیں، اور انسانیت کی حقارت اور اس کے بدنما داغوں میں ایک اور داغ کا اضافہ ہو جاتا ہے!

دوسری جانب پوری پوری ٹیمیں کھلاڑیوں کی صحت اور علاج اور ان کی دیکھ بھال کے لیے دوڑتی پھرتی ہیں، رنگ برنگ کی دل موہ لینے والی چیزیں، موسیقی، مٹھائیاں، ائیر کنڈیشن اور مختلف محفلوں کے ذریعہ ان کے ذہنی تناؤ کو دور کیا جاتا ہے، ان سب چیزوں کو ٹی وی اسکرین پر دیکھا جاتا ہے، نظریں ان کی طرف تکی رہتی ہیں، ان کے بارے میں اخبارات ورسائل خوب جم کر لکھتے ہیں، ان کے فوٹوز شائع کیے جاتے ہیں، جبکہ ان کے قدموں کے نیچے ہزاروں اور لاکھوں کا خون ہوتا رہتا ہے۔

کیا یہ سب سجاوٹ، سارے اخراجات اور ساری تیاریاں عقل مندی کی علامت ہیں، جبکہ تین ارب لوگوں کی اسی دنیا میں آمدنی دو ڈالر یومیہ سے بھی کم ہے، ان میں 1.2 ارب ایسے لوگ ہیں جن کی آمدنی ایک ڈالر یومیہ سے بھی کم ہے، معلوم ہوا کہ سیکڑوں لوگوں کی آمدنی اتنی نہیں ہوتی ہے جتنی کہ ایک کھلاڑی کے جوتے کی قیمت!

ذیل میں بعض کھلاڑیوں کی سالانہ آمدنی (یورو میں) پیش کی جارہی ہے:

ابراہیمو فیتش (الانتر)	9000000
کاکا (میلان اٹلی)	9000000
میسی (برشلونہ)	8400000

یہ تو ان کی مستقل تنخواہیں ہوئیں، اس کے علاوہ ان کو گاڑیوں، محلات اور بنگلے عطیات کے طور پر ملتے ہیں، ان کا صحیح علم تو صرف اللہ کو ہے!

میری امت کے جیالو! اللہ تعالیٰ اعلان کرتا ہے: وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ـ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ۔ (المعارج: ٢٤، ٢٥) (جن کی دولت میں سائل اور محتاج افراد کے لیے ایک متعینہ حق ہوتا ہے)، مشہور حدیث بھی ہے کہ ایک عورت صرف اس وجہ سے جہنم رسید ہو گئی کہ اس نے ایک بلی کو قید میں ڈال دیا تھا اور وہ اسی حالت میں تڑپتے تڑپتے مر گئی، اس میں صرف ان کے لیے وعید

نہیں ہے جو فقراء کو دیتے نہیں ہیں، بلکہ ان کے لیے بھی ہے جو فقیر کو دیتے تو ہیں تاہم ان کی مدد پر دوسروں کو ابھارتے نہیں۔ اس سلسلہ میں واضح واضح آیات سورہ الحاقہ، سورہ الفجر اور سورہ الماعون میں موجود ہیں اور یہ وہ سورہ ہیں جو بچوں تک کو یاد رہا کرتی ہیں!

کیا اب بھی ہمارے دلوں میں آگ نہیں بھڑکے گی، ہمارے اندر فقراء اور مساکین کی مدد کے لیے حرکت نہیں آئے گی، تاکہ ہم اللہ کے عذاب سے نجات حاصل کرسکیں، یا پھر ہم اسی نظام کے پیچھے پیچھے چلتے چلے جائیں گے جس میں کمزوروں کا استحصال ہوتا ہے، لوگوں کو زندہ درگور کردیا جاتا ہے اور انصاف پسند عقلوں کو گمراہ کیا جاتا ہے؟!۔

ضمیمہ (۵)

کھیل کود اور فاقہ کشی کے درمیان

وجوہ امتیاز (۲)

جب لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں لوگ کھلاڑیوں کے قدموں میں دوڑتی فٹ بال کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے، اور بھوکے، فاقہ کش اور بیمار انسانوں کے دکھ درد کی ان کے اندر کوئی فکر نہیں ہوگی تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ انسانیت کا جنازہ اٹھ چکا ہے۔

یہ مذہب کی اصولی بات ہے، صرف اسلام ہی نہیں کوئی بھی مذہب ہو، خواہ اس میں کتنی ہی تحریف کر دی گئی ہو، تاہم یہ چیز اس کے اندر موجود ملے گی، انسان کی روح اس کا احساس اور شعور ہے، اگر یہ دونوں نہ ہوں تو انسان انسان نہیں رہ جائے گا، اس کو کچھ اور کہنا پڑے گا۔ اس سلسلہ میں تمام ہی مذاہب میں اس انسانی پہلو کی عظمت دیکھنے کو ملتی ہے، عیسیٰؑ اپنی ماں کی گود میں تھے اور کہہ رہے تھے: وَجَعَلَنِيْ مُبَارَكاً أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِيْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيّاً۔ (مریم: ۳۱) (اور میں جہاں رہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحبِ برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔)، مطلب یہ کہ مجھے تمام ہی بندگان خدا کے لیے منفعت بخش بنایا ہے، عز بن عبدالسلام نے اپنی کتاب 'شجرۃ المعارف والاحوال فی صالح الاقوال والافعال' میں لکھا ہے "فرمان الٰہی ہے: وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِيناً وَيَتِيماً وَأَسِيراً۔ (الدھر: ۸) (اور باوجود یکہ ان کو خود طعام کی خواہش (اور حاجت) ہے فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔) اس کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ اور فقراء و نادار لوگوں کے ساتھ احسان کا رویہ ایک انسانی عمل ہے، گرچہ اس کی روح کو دیکھا جائے تو یہ ایک اسلامی عمل ہے کہ صحیح اسلام امت کے اہل ثروت پر یہ واجب قرار دیتا ہے کہ وہ دنیا

بھر کے ناداروں کی کفالت کریں، قطع نظر اس سے کہ ان ناداروں کا دین کون سا ہے، ان کا رنگ کیا ہے اور ان کی نسل کون سی ہے اور وہ کس ملک کے رہنے والے ہیں، آیت میں قیدیوں کا ذکر آیا ہے، اور ایک بات تو یقینی ہے کہ آیت میں مذکور قیدی مسلمان نہیں ہیں، لیکن آج کی دنیا میں تمام چیزوں سے بے غم ہو کر صرف کھلاڑیوں کے قدموں میں دوڑتی فٹ بال نے نہ جانے کتنے لوگوں کے احساس کو مردہ کر دیا ہے، ان کے دل سخت ہو گئے ہیں، ان کو نظر نہیں آتا کہ کتنے فقیر ہیں جو فاقہ کشی کی حالت میں موت کی آغوش میں سر رکھ دیتے ہیں، لاکھوں کروڑوں ایسے افراد ہیں جو بنیادی ضروریات تک سے محروم ہیں، حالانکہ جب آدم کو اس زمین پر اتارا گیا تھا تو رخصت کرتے وقت پہلی بات یہ کہی گئی تھی کہ: إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَى۔ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَى۔ (طه:۱۱۸-۱۱۹) (یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ نہ بھوکے رہو نہ ننگے۔ اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ۔)

لباس، کھانا پینا اور رہنے کے لیے مکان یہ انسان کی بنیادی ضروریات ہیں، جن کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اور حال یہ ہے کہ اس سرزمین پر بسنے والے پانچ فیصد افراد کے عیش و سرمستی میں اتنا خرچ ہوتا ہے کہ جس سے ان تمام فقراء اور ناداروں کو کھانا اور لباس دیا جا سکتا ہے، آج کی تہذیب سیکڑوں ارب روپے عیش و سرمستی اور منشیات میں صرف کر رہی ہے، اگر اس مال سے ڈھائی فیصد زکوۃ نکالی جائے، اور ان کو مستحقین تک پہنچایا جائے تو یہ ساری بدحالی اور فقر و فاقہ ایک دم سے ختم ہو جائے گا، اللہ کی ہزار رحمتیں ہوں حضرت علیؓ پر انہوں نے اللہ کے رزق اور بندوں کی کفالت کے درمیان توازن کو اپنی بے پناہ بصیرت سے دیکھ لیا تھا، ان کا قول ہے: ''اللہ تعالی نے اہل ثروت ناداروں کے بقدر پیدا فرمائے ہیں، اگر کوئی نادار بھوکا رہتا ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ اہل ثروت مال دبا بیٹھے ہیں''۔

ایک زمانہ تھا کہ انسانیت اپنے عروج اور بلندی پر پہنچ گئی تھی، اس وقت حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا: ''اگر عراق میں ایک خچر ٹھوکر کھاتا ہے تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں مجھ سے اس کی پوچھ تاچھ نہ ہو کہ اے عمر! تم نے اس کے لیے راستہ کیوں نہیں ہموار کیا؟!'' اس امر نے ہمارے فقہاء کے یہاں اس قدر پختگی اختیار کر لی تھی کہ انہوں نے 'حق الشفقة' پر گفتگو فرمائی، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر انسان اور چرند پرند

کا یہ حق ہے کہ ان کے پاس سے جو بھی کھانا پینا گزرے، اس سے ان کے ہونٹ تر رہیں، ایسا نہ ہو کہ انسان کے اندر ہی اندر امنگ پھڑکتی رہے کہ کاش کہ کوئی بچا ہوا ٹکڑا ادھر بھی ڈال دیا جائے! اور اس کو یہ ٹکڑا نہ نصیب ہو سکے، وہ بھوک سے نڈھال ہو کر پلٹ جائے، زمانہ کو حسرت سے دیکھتا رہے اور اس طرح خستہ حالت میں اپنی عمر تمام کرلے۔

میں کبھی بھی کھیل کود کا مخالف نہیں رہا، بلکہ میری جانب سے نیک تمنائیں ہیں 'فیفا' کے لیے جس نے پورے عالم کی توجہ فقراء اور ناداروں کی جانب مبذول کرائی ہے۔

اے میرے علماء بھائیو، حکام، روساء اور سرمایہ داروں! اپنے انسانی بھائیو پر بھی کچھ نظر کرم کرو، قبل اس کے کہ اللہ سے ملنے کا وقت آجائے اور ہم نے جو کچھ جمع کر کے اور ذخیرہ اندوزی کر کے رکھا ہے، وہ ہم کو آگ کے عذاب سے دوچار کردے!